مسلسل اشاعت کا اکیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

جولائی 2020ء، ذوالقعدہ / ذوالحجہ 1441ھ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	اداریہ		
2	دستک		4
	قومی و بین الاقوامی		
3	حالیہ بھارت چین سرحدی تنازعہ اور اس کے خطے پر ممکنہ اثرات	طارق اسماعیل ساگر	5
4	امتِ مسلمہ کے استحکام و بقاء کے لئے اسلامی اصولِ مواخات کے عملی نفاذ کی ضرورت	ڈاکٹر حافظ فیض رسول	10
	گوشۂ قرآن		
5	سورۃ الفاتحہ	سبینہ عمر	17
	گوشۂ قربانی		
6	احکام قربانی	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	24
7	ذبیح اللہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام)	محمد ارشد	29
	صلائے عام		
8	غوث الاعظم سیدنا عبد القادر الجیلانیؒ کا منہج اور عصر حاضر کے صوفیاء کے کردار کا تعیُّن	صاحبزادہ سلطان احمد علی	31
	باھُو شناسی		
9	حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کے نظریہ علم میں عقل کی بحث	لئیق احمد	42
10	خراباتِ حافظؔ سے ایک جام (حصہ پنجم)	ملک نور حیات خان	46
11	شمس العارفین	مترجم: سید امیر خان نیازی	48
12	Abyat e Bahoo	Translated by: M.A Khan	49

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
40 روپے	50 روپے
سالانہ (ممبر شپ) 480 روپے	سالانہ (ممبر شپ) 600 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
200	100	80

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندروڈ، لاہور سے چھپوا کر کمرہ نمبر 9، سیکنڈ فلور، اسلم آرکیڈ 16 میکلوڈ روڈ، کشمیر چوک لاہور سے شائع کیا

برائے خط و کتابت ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور
E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ

"اور کافر یہ گمان ہر گز نہ کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں (یہ) ان کی جانوں کیلیے بہتر ہے، ہم تو (یہ) مہلت انہیں صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ گناہ میں اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے (بالآخر) ذلّت انگیز عذاب ہے"۔(آلِ عمران:178)

"حضرت عبد اللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِي قَرْيَةٍ، فَقَدْ أَحَلُّوا بِأَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ"

"جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہو جائے تو انہوں نے اپنے اوپر اللہ پاک کے عذاب کو حلال کر لیا"۔(المستدرک علی الصحیحین، کتاب البُیُوعِ)

"جب تک غیر اللہ کا تیرے دل میں بسیرا ہے، نجات و فلاح نہیں ملے گی، خواہ ہزار برس تک دہکتی آگ پر سجدہ کرے---اس حال میں تیرا دل غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو، اس سجدے کا ذرا فائدہ نہ ہو گا---نہ آخرت سدھرے گی اس حال میں کہ دل غیر اللہ کے ساتھ دوستی بنائے رہے---اللہ کی محبت میں ہر گز سعادت نہ پاؤ گے جب تک سب کچھ ملیامیٹ نہ کر دو---بظاہر چیزوں سے بے رغبتی ظاہر کرنا اور دل کا ان کی طرف دھیان کرنا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا- کیا تجھے نہیں معلوم کہ جو کچھ سب کے سینوں میں ہے اللہ کو ان کی خبر ہے، حالانکہ تیرے دل میں اس کے غیر نے ڈیرہ جمار کھا ہے"۔

(فتح الربانی)

ایہو نفس اساڈا بیلی جو نال اساڈے سدّھا ھو
زاہد عالم آن نوائے جتھے ٹکڑا ویکھے تھدّھا ھو
جو کوئی اسدی کرے سواری اس نام اللہ دا لدّھا ھو
راہ فقر دا مشکل باھو گھر ماں نہ سیرا ردّھا ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

ایمان، اتحاد، تنظیم

وقت آگیا ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو تعمیری پروگرام کے لیے وقف کریں- میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی تعطیلات کے زمانے میں تعمیری کام کریں ناخواندہ لوگوں کو پڑھائیں، معاشرے کو بہتر بنائیں معاشی بہبود کے لیے کوشش کریں اور عوام میں سیاسی شعور اور نظم و ضبط پیدا کریں"۔(مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ یونین سے خطاب،10مارچ، 1941ء)

فرمانِ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

یہ جبر و قہر نہیں ہے، یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہاں بانی
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

(ضربِ کلیم)

دنیا میں بڑھتی نسل پرستی اور اسلامی تعلیمات

عالمی دنیا بے شمار سیاسی، سماجی، مذہبی و اقتصادی مسائل کی طرح نسل پرستی اور نسلی تعصب کا شکار ہے - حال ہی میں امریکی ریاست مینیپولس (Minneapolis) میں پولیس کے ہاتھوں سیاہ فام امریکی شہری جارج فلائیڈ کی ہونے والی ہلاکت نے دنیا بھر بالخصوص امریکہ میں نسل پرستی کے مخالف مظاہروں کی بڑی لہر کو جنم دیا ہے - دنیا بھر میں ہونے والے احتجاج میں جارج فلائیڈ کے آخری الفاظ ''میں سانس نہیں لے سکتا'' (I can't breathe) لوگوں کی آواز بن گیا ہے -

مغربی ممالک میں اکثر سفید لوگوں کی بالادستی (White Supremacy) اور سیاہ فام لوگوں سے امتیازی سلوک کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں - واشنگٹن پوسٹ کے ڈیٹا کے مطابق امریکہ میں 2015ء سے 2019ء تک تقریباً 4728 لوگ پولیس کے ہاتھوں مارے گئے جن میں 1252 لوگ سیاہ فام تھے حالانکہ سیاہ فام امریکہ کی مجموعی آبادی کا محض 13 فیصد ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ میں پولیس کے ہاتھوں سیاہ فام کا قتل سفید فام کی نسبت دوگنا ہے - اس کے علاوہ گزشتہ برس اگست میں شائع ہونے والی ایک تحقیق میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ رواں سال امریکہ میں پولیس کے ہاتھوں قتل ہونے والے سیاہ فام لوگوں کی تعداد سفید فام کی نسبت 2.5 فیصد زیادہ ہونے کا امکان ہے -

یہاں یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ نسل پرستی کا عنصر صرف مغرب میں ہی نہیں ہے بلکہ دنیا کے دیگر خطے بھی اس کی لپیٹ میں ہیں - عربی و فارسی کی تقسیم، چینی و جاپانی کی تقسیم اور اسی طرح بھارت میں بدترین ذات پات کا نظام ہزار ہا سال سے رائج ہے جس کی چکی میں پسنے والی اقوام میں سے ایک قوم دلت بھی ہے جو اس ظالمانہ نظام کے خلاف سراپا احتجاج ہیں - بدقسمتی سے برصغیر میں اسی ذات پات کا تسلسل ہمیں مملکتِ خداداد پاکستان میں بھی نظر آتا ہے جہاں مختلف اقوام اور برادریوں کے مابین تقسیم بعض اوقات امتیاز کا باعث بنتی ہے -

یہ امر باعث افسوس ہے کہ دنیا کے بہت سے ممالک میں '' Anti-Discrimination Laws'' بھی موجود ہیں لیکن اس کے باجود نسلی امتیاز و انتہاء پسندی کا خاتمہ نہیں کیا جا سکا - عالم انسانیت صدیوں سے نسلی تفاخر جیسے سماجی مرض سے چھٹکارا نہیں پا سکا ہے جس کی ایک بڑی وجہ قوم کی جمعیت کا انحصار ملک و نسب پر ہونا اور رنگ، نسل، زبان، مذہب یا علاقہ کے لحاظ سے انسانیت کا امتیاز ہے - جب تک اس نسلی تفاخر کا خاتمہ نہیں ہوتا، اس وقت تک رنگ و نسل کی بنیاد پر امتیازی سلوک کا خاتمہ بھی ممکن نہیں -

رنگ و نسل کے امتیاز اور تفاخر کا بہترین تریاق اسلامی تعلیمات ہیں جن کا عملی نفاذ اس مادہ پرستانہ دور میں ناگزیر ہو چکا ہے - اسلام نے سب سے پہلے نسل پرستی کا قلع قمع کرتے ہوئے وحدتِ نوعِ انسانی اور احترامِ آدمیت کا درس دیا اور انسانی فضیلت کا معیار، رنگ، نسل قبیلہ یا مذہب کی بجائے تقویٰ پر ٹھہرایا جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو - بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو - (الحجرات:13)

مزید برآں! سیرت النبی (ﷺ) سے بھی یہی درس ملتا ہے - خاتم المرسلین، حضرت محمد مصطفےٰ (ﷺ) نے اپنی عملی زندگی میں نسل پرستی کے خاتمے اور انسانی مساوات کی جو مثالیں قائم فرمائیں وہ انسانی تاریخ کا سب سے عظیم باب ہے جس میں سب سے بڑی مثال آپ (ﷺ) نے اپنے حبشی غلام (حضرت بلال (رضی اللہ عنہ)) اور قریش کے سرداران کو ایک ہی دستر خوان پر بٹھا کر دنیا کو ہمیشہ کیلئے سبق دیا کہ اسلام نے نسلی امتیاز و نسلی تفاخر کی عملی نفی کی ہے - اسی طرح خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ (ﷺ) کا فرمانِ مقدس تمام عالمِ انسانیت کیلئے مشعلِ راہ اور نسل پرستی و نسلی تعصب کے خاتمے کیلئے عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے:

''لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر تقویٰ کے ساتھ - (مسند امام احمد بن حنبل)

علامہ اقبالؒ نے اسلام کے اسی اصول کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنے کلام میں فرمایا تھا:

آنکہ نام تو مسلماں کردہ است　　از دوئی سوے یکی آوردہ است

''وہ (ذات) کہ جس نے تیرا نام مسلماں رکھا ہے - وہ تجھے دوئی سے وحدت کی طرف لایا ہے''-

قوم تو از رنگ و خون بالا تر است　　قیمت یک اسودش صد احمر است

(اے مسلمان) تیری قوم رنگ و خوں سے بہت اونچی ہے اور اس کے ایک کالے کی قیمت سینکڑوں گورے ہیں''-

فارغ از باب و ام و اعمام باش　　ہمچو سلمان زادۂ اسلام باش

''تو باپ، ماں اور چچاؤں کے رشتے سے آزاد ہو جا، حضرت سلمان (فارسی) کی طرح اپنا رشتہ اسلام سے جوڑ لے اور اسلام کا فرزند بن جا''-

مذکورہ پیغامِ اقبال سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں نسل پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلام وحدت کا درس دیتے ہوئے تمام انسانیت کو اخوت و صلح اور پرامن نظریے کی دعوت دیتا ہے - فی الحقیقت اسلام اللہ رب العزت کا عالمگیر و آفاقی پیغامِ ہدایت ہے اس لئے دنیا کا ہر شخص (بلا امتیاز رنگ و نسل) اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر راہ ہدایت اختیار کر سکتا ہے اور نسلی تعصب سے پاک معاشرے کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے - دوسرے لفظوں میں انسانیت کی اصل شناخت اور تکریم مادی جسم، رنگ و نسل کی بجائے اس کے تقویٰ، اخلاق اور روحانی مراتب کی بنیاد پہ کرنی ہو گی اس میں انسانیت کی بقاء اور عالمی امن کا راز ہے -

حالیہ بھارت چین سرحدی تنازعہ اور اس کے خطے پر ممکنہ اثرات

طارق اسماعیل ساگر

دنیا بھر میں کم و بیش 200 کے قریب ممالک موجود ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ طویل سرحدوں کے ذریعے جڑیں ہوئے ہیں- سرحدوں کے ساتھ ساتھ بہت سے ممالک ہزاروں افراد کی تاریخ، ثقافتی، مذہبی اور معاشی رشتوں سے بھی جڑے ہوئے ہیں- ان میں کچھ ممالک کے درمیان سرحدی تنازعات بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے بڑی بڑی جنگیں لڑی جا چکی ہیں- برصغیر میں بننے والی سرحدیں برطانوی نوآبادیاتی دور کا ورثہ ہیں اور آج تک اس خطے کے لیے تنازعات کا باعث بنی ہوئی ہیں-

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب برصغیر برطانوی غلامی سے آزاد ہوا تو یہ خطہ بہت سے تنازعات کا شکار ہوا- برصغیر کی تقسیم کے وقت پیدا ہونے والے مسائل جیسا کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کا تنازعہ، بھارت کا چین، نیپال اور بھوٹان کے ساتھ سرحدی تنازعات وغیرہ آج بھی موجود ہیں- زیر نظر مضمون میں حالیہ بھارت چین سرحدی کشیدگی، اس تنازعہ کا آغاز، لداخ اور ملحقہ علاقوں کی دفاعی اہمیت، بھارت اور چین کا مؤقف، بدلتی ہوئی علاقائی و بین الاقوامی صورت حال اور اس تنازعے کے خطے پر ممکنہ اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے-

لداخ کا تاریخی پس منظر:

لداخ بھارت کے زیر قبضہ ریاست مقبوضہ جموں و کشمیر کا ایک متنازع علاقہ ہے جس کی سرحدیں مشرق میں چین کے علاقے تبت، جنوب میں ہماچل پردیش، مغرب میں جموں اور شمال میں چین سے اور جنوب مغرب میں پاکستان سے ملتی ہیں- تاریخی طور پر 1834ء (سکھ دور) میں گلاب سنگھ نے لداخ کو فتح کیا اور ریاستِ کشمیر کا حصہ بنایا- پہلی اینگلو - سکھ جنگ کے بعد 16 مارچ 1846ء کو تاج برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان ایک "معاہدہ امرتسر" کے تحت ریاست جموں و کشمیر کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں لداخ کا علاقہ بھی شامل تھا- تقسیم برصغیر تک لداخ ریاست جموں و کشمیر کا حصہ رہا ہے- جب 3 جون 1947ء کے منصوبے کے تحت تقسیم برصغیر کا اعلان ہوا تو برصغیر کی چھوٹی بڑی کم و بیش 560 ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ آیا وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتی ہیں یا بھارت میں- ریاست جموں و کشمیر جو کہ ایک مسلم اکثریتی ریاست تھی اور اصولاً عوام کی خواہش کے مطابق اسے پاکستان میں شامل ہونا تھا مگر ہندوؤں کی سازش اور مہاراجہ کے غیر قانونی فیصلے کی وجہ سے ریاست میں بغاوت نے جنم لیا اور ریاست کئی حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی- 24 اکتوبر 1947ء کو کشمیریوں نے ریاست کا بڑا حصہ کنٹرول کر لیا اور مہاراجہ کے سری نگر سے جموں بھاگ جانے کے بعد ایک الگ مسلم ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا گیا مگر بھارتی قبضے کے بعد ریاست نے سمٹ کر موجودہ آزاد کشمیر کی صورت اختیار کر لی- یکم نومبر کو گلگت ایجنسی بشمول بلتستان کے لوگوں نے اپنے علاقے کو مہاراجہ کی فوج سے آزاد کروایا اور گلگت اور بلتستان میں تبدیل کر دیا- لداخ، وادی کشمیر، جموں اور پونچھ پر بھارت نے س 27 اکتوبر 1947ء کو غیر قانونی قبضہ کر لیا-

بھارت چین سرحدی تنازعہ:

بھارت اور چین کے درمیان سفارتی تعلقات 1950ء میں شروع ہوئے- بھارت چین کا سرحدی تنازعہ اس وقت شروع ہوا جب بھارتی وزیر اعظم جے ایل نہرو نے 1954ء میں

بھارت کے ایسے نقشے شائع کرنے کے احکامات دیے جن میں برطانوی دور میں پھیلی ہوئی سرحدوں کو بھی بھارت میں شامل دکھایا گیا- خاص طور پر اس میں اکسائی چن کو بھی شامل کر لیا اور اس اقدام کی وجہ سے برسوں سے قائم جنگ بندی کا معاہدہ ختم ہو گیا- اپنے اس دعوے کو تقویت پہنچانے کے لیے بھارتی پریس نے کھلے عام تبت کی آزادی کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا- اس کے بعد سے چینی قیادت کی نظر میں خطے سے متعلق نہرو کے عزائم مشکوک ہو گئے- اگست 1959ء میں چینی فوج نے مک ماہن لائن (McMahon Line) کے شمال میں لونگجو کے مقام پر بھارتی چوکی اپنے قبضے میں لے لی- جس کو چائنہ غیر قانونی سمجھتا ہے- 24 اکتوبر 1959ء کو چو این لائی نے نہرو کے نام ایک خط میں دونوں ممالک کی افواج کو لائن آف ایکچوئل کنٹرول (LAC) سے 20 کلومیٹر پیچھے ہٹنے کی تجویز پیش کی- اس تجویز کو قبول کرنے کی بجائے نہرو نے جارحانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے اس علاقے پر اپنا حق جتانے کی خاطر نومبر 1961ء میں LAC کے شمال میں چینی حدود کے اندر مزید 43 چوکیاں تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا- یہ غیر اعلانیہ پالیسی تھی اور نہرو کا اپنا عملہ اس اقدام سے متفق نہیں تھا- اسی بنا پر 1962ء میں بھارت اور چین کے مابین جنگ ہوئی جس میں بھارت کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا-

1962ء میں بھارت کی بدترین شکست کے بعد دونوں ممالک کے درمیان 1993ء، 1996ء اور 2005ء میں بارڈر مینجمنٹ پر معاہدے ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک سرحدی علاقوں کی نشاندہی نہیں ہو سکی ہے- دونوں ممالک کی افواج کے درمیان پٹرولنگ کے وقت کئی مرتبہ شدید جھڑپیں ہو چکی ہیں جن میں سب سے اہم جھڑپ 2017ء میں دونوں ممالک کے مابین ڈوکلام (Doklam) کے علاقے میں ہوئی تھی- یہ کشیدگی 73 دن جاری رہ چکی ہے- اُس وقت بھوٹان کی سرحد کے ساتھ بڑی چینی فوج کی تعداد میں بڑا اضافہ کیا گیا تھا-

5 آگست 2019ء کو بھارت کی فاشسٹ مودی حکومت نے بھارتی آئین کے آرٹیکل 370 اور 35 اے کو یک طرفہ طور پر ختم کر کے مقبوضہ جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کر کے جموں وکشمیر اور لداخ (Ladakh) کو اپنے یونین علاقوں (Union Territories) میں تبدیل کر دیا جس پر نا صرف پاکستان بلکہ چائنہ نے بھی اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا- بھارت اور چین کے مابین سرحدی لائن کو لائن آف ایکچوئل کنٹرول (LAC) کہتے ہیں- LAC ایک سرحدی حد بندی ہے جو ہندوستان کے زیر کنٹرول علاقے کو چینی زیر کنٹرول علاقوں سے الگ کرتی ہے- بھارت LAC کو 3488 کلومیٹر لمبا سمجھتا ہے جبکہ چینی اس کو صرف 2000 ہزار کلومیٹر سمجھتے ہیں- LAC کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: مشرقی سیکٹر جو اروناچل پردیش اور سکم، ریاست اتراکھنڈ اور ہماچل پردیش کا درمیانی سیکٹر اور لداخ میں مغربی سیکٹر پر پھیلی ہوئی ہے-

بھارت کا دعویٰ:

بھارت لداخ کے شمال میں واقع اکسائی چن پر اپنا دعویٰ کرتا ہے جو کہ 1962ء کی بھارت چین جنگ کے بعد چین کے مکمل زیر انتظام آ گیا تھا- اسی طرح اروناچل پردیش بھی بھارت کے زیر انتظام ہے-

چین کا دعویٰ:

اکسائی چن میں چین کے علاقوں تبت اور سنکیانگ کے درمیان اہم ترین شاہراہ اسی علاقے سے گزرتی ہے جس کے باعث یہ چین کیلیے انتہائی اہمیت کا حامل علاقہ ہے اور چائنہ اکسائی چن کو اپنے صوبے سنکیانگ کا حصہ تسلیم کرتا ہے- اسی طرح چین اروناچل پردیش پر اپنا دعویٰ کرتا ہے جو کہ انڈیا کے زیر انتظام ہے- میکموہن لائن ایک ایسا خط ہے جو تبت اور اروناچل پردیش کو جدا کرتا ہے- چائنہ اس لائن کو غیر قانونی سمجھتا ہے-

لیکن کبھی بھی سرکاری سطح پہ دونوں ممالک کے درمیان سرحدی علاقوں کی نشاندہی نہیں ہو سکی ہے۔

حالیہ بھارت چائنہ کشیدگی:

ابتدائی طور پر چائنہ انڈیا کشیدگی مئی کے آغاز میں شروع ہوئی تھی۔5 مئی 2020ء کو لداخ کے ہمالیہ کے قریب سطح سمندر سے 14000 فٹ (4270 میٹر) سطح پر واقع پینگانگ سو جھیل (Pangong Tasu Lake) پر ہندوستانی اور چینی فوجیوں کے مابین ایک جھگڑا ہوا۔اسی طرح کا ایک اور واقعہ 9 مئی کو مشرق میں سکم کے ناکولا درہ (Naku La Pass) علاقے میں پیش آیا تھا اور شدید جھڑپیں ہوئیں۔ چینی اخبار گلوبل ٹائمز کے مطابق لداخ میں وادی گلوان (Galwan Vally) کے مقام پر اس وقت یہ کشیدگی شروع ہوئی جب انڈیا نے اس علاقے میں دفاع سے متعلق غیر قانونی تعمیرات کی ہیں۔جس کی وجہ سے چین کو وہاں فوجی تعیناتی میں اضافہ کرنا پڑا ہے۔گلوبل ٹائمز نے یہ بھی لکھا ہے کہ وادی گلوان ایک چینی علاقہ ہے اور انڈیا کی جانب سے اٹھائے گئے اقدامات سے انڈیا اور چین کے مابین سرحدی امور سے متعلق معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق لداخ میں پینگانگ سو، گلوان وادی اور دیمچوک کے مقامات پر دونوں افواج کے درمیان جھڑپ ہوئی ہے۔گلوبل ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق چین اور بھارت کے مابین سرحدی کشیدگی کے دوران چین کی پیپلز لبریشن آرمی (PLA) نے ایک بڑے پیمانے پر شمال مغرب ہوبائی صوبے سے دور کافی بلندی پر آرمی آپریشن کا انعقاد کیا ہے جس میں ہزاروں پیراٹروپر اور بکتر بند گاڑیاں شامل ہیں۔یہ سارا عمل چند گھنٹوں میں مکمل کیا گیا۔

انڈیا اور نیپال کے درمیان بھی سرحدی تنازعہ کشیدگی اختیار کرتا جارہا ہے۔یہ تنازع تب شروع ہوا جب انڈیا کے وزیر دفاع راج ناتھ سنگھ نے 8 مئی کو لپولیکھ کے قریب ہو کر گزرنے والے اتراکھنڈ مانسرور روڈ (Mansar Road) کا افتتاح کیا تھا۔یہ تنازعہ اتنا کشیدہ ہو گیا کہ نیپالی وزیراعظم کے پی شرما اولی کو یہ وضاحت دینی پڑی کہ نیپال اپنی زمین کا ایک انچ حصہ بھی نہیں چھوڑے گا۔حال ہی میں نیپال کی پارلیمنٹ نے ایک خصوصی اجلاس کے دوران اس نقشے کو منظوری دے دی جس میں لپولیکھ (Lipulekh) لیمپیادرا (Limpiyadhura) اور کالا پانی (Kalapani) کے علاقوں کو نیپال کے نقشے میں ظاہر کیا ہے۔بھارت اور چین کے مابین حالیہ کشیدگی صرف سرحدی کشیدگی نہیں بلکہ اس کے جیوسٹریٹیجک اور جیو پولیٹیکل حوالے سے بھی کئی پہلو ہو سکتے ہیں۔بھارت اس خطے میں چین کے خلاف امریکی مفادات کا محافظ بن چکا ہے۔حالیہ عالمی وباء کووِڈ-19 کے دوران امریکہ مسلسل چین پہ وائرس کو پھیلانے کا الزام لگا کر (چائنیز فارن منسٹر وانگ یی کے بیان مطابق) امریکہ ایک نئی ''کولڈ وار''شروع کر چکا ہے۔امریکہ اس خطے میں بھارت کو اپنا سب سے بڑا حلیف و رفیق سمجھتا ہے جو چائنہ کے خلاف امریکی مفادات کی حفاظت کر سکے۔اس لئے بھارت کی امریکہ سے بڑھتی ہوئی پارٹنر شپ بھی کشیدگی کا باعث ہے۔

دوسری سب سے اہم وجہ بھارت کی سی پیک (جو کہ چین اور پاکستان کا ایک گیم چینجر پروجیکٹ ہے) کے خلاف سازشیں اور اس کے سی پیک کو سبوتاژ کرنے کے واضح عزائم ہیں۔بھارت لداخ میں دولت بیگ (Dolat Beg) کے مقام پر سڑکیں اور دفاعی تعمیرات کر رہا ہے جو مشہور شاہراہ ریشم اور سی پیک روٹ کے بالکل قریب کا علاقہ ہے۔لداخ کے علاقہ میں مستقل قبضہ کرنے کے بعد چائنہ کے بارڈر کے ساتھ ساتھ پکی سڑک بنا کر بھارت اپنے دفاع کو مضبوط بنانے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ آئندہ چائنہ سے کسی بھی تناؤ کی صورت میں بروقت فوج اور جنگی سازوسامان کی ترسیل کو ممکن بنایا جا سکے اور مستقبل میں یہاں سے گلگت بلتستان کو بھی ٹارگٹ کیا جا سکے جس سے سی پیک اور دیامیر بھاشا ڈیم (جس کی حال ہی میں تعمیر شروع ہوئی ہے) کو نقصان پہنچایا جا سکے۔چین نے یہاں پر بھی بھارت کے اس اقدام پر اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا۔

اس کشیدگی کی تیسری اہم وجہ بھارت کا 5 اگست 2019ء کو یک طرفہ طور پر سیکورٹی کونسل میں موجود مقبوضہ جموں و کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو ختم کر کے لداخ اور جموں و کشمیر کو اپنے یونین علاقوں (Union Territories) میں تبدیل کرنا

ہے۔ بھارت کے اس اقدام پہ نا صرف پاکستان بلکہ چائنہ نے بھی اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا۔

وادی گلوان کی سٹریٹیجک اہمیت:

وادی گلوان کا متنازع علاقہ اکسائی چن میں ہے۔ گلوان وادی لداخ اور اکسائی چن کے درمیان ہند۔چین سرحد کے قریب واقع ہے۔ یہاں لائن آف ایکچوئل کنٹرول (LAC) چین کو انڈیا سے الگ کرتی ہے۔ انڈیا اور چین دونوں اکسائی چن پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ وادی چین میں جنوبی سنکیانگ (Xinxiang) اور انڈیا میں لداخ تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ علاقہ سٹریٹجک لحاظ سے بہت زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ پاکستان، چین کے سنکیانگ اور لداخ کی سرحدوں سے متصل ہے۔ یہاں تک کہ 1962ء کی جنگ کے دوران دریائے گلوان کا یہ علاقہ جنگ کا مرکز تھا۔ بھارت نے گذشتہ سال اکتوبر میں لداخ میں دربک۔شیوک۔دولت بیگ (Shyok-Daulat Beg Oldie Road) تک سڑک تعمیر کی تھی۔ ڈی بی او روڈ کو سب سیکٹر شمالی روڈ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مشرقی لداخ میں ایک موسمی سڑک ہے جو چین کے ساتھ لائن آف ایکچول کنٹرول کے قریب ہے۔ رسد باہم پہنچانے کیلیے 255 کلومیٹر لمبی دربوک۔شیوک روڈ دولت بیگ کو پورے لداخ سمیت لیح (Leh) سے منسلک اور پھر آگے مقبوضہ وادی کے دارلخلافہ سری نگر سے ملا دیتی ہے۔ دولت بیگ شاہراہ قراقرم سے صرف 8 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جس وجہ سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

موجودہ صورتحال:

انڈیا کے وزیر دفاع راج ناتھ سنگھ نے ٹی وی انٹرویو میں اعتراف کیا ہے کہ مشرقی لداخ میں ایکچوئل کنٹرول لائن (LAC) سے 'بڑی تعداد میں' چینی فوجی انڈین علاقے میں داخل ہوگئے ہیں۔ جبکہ انڈین میڈیا کی رپورٹس کے مطابق چینی فوج وادی گلوان کے جنوب مشرق میں تقریبا 3 کلومیٹر دور ہندوستانی علاقے میں داخل ہو چکی ہے جو مشرقی لداخ میں ہاٹ اسپرنگس ایریا (Hot Spring Area) کے طور پر جانا جاتا ہے۔ فوجی ذرائع کے حوالے سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لداخ میں سرحد کے نزدیک چینی فوج کے ہیلی کاپٹر بھی پرواز کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں اور دیمچوک، دولت بیگ اولڈی، دریائے گلوان اور پینگونگ سو جھیل کے اطراف میں انڈین اور چینی فوج نے اپنی تعیناتی میں اضافہ کیا ہے اور دونوں افواج نے اپنے اپنے علاقے کی جھیلوں میں کشتیوں کے گشت میں بھی اضافہ کیا ہے۔ ساتھ ایشین وائر کے مطابق پچھلے دو ہفتوں میں گلوان وادی کے اندر 5 ہزار چینی فوجیوں نے وادی کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا جس میں 9 تعمیر شدہ دربوک۔شیوک۔دولت بیگ روڈ بھی شامل ہے۔

عالمی میگزین "فارن پالیسی" کے مطابق واشنگٹن کی خواہش کے برعکس بھارت کو چائنہ کے مدمقابل کھڑا کرنا ابھی بہت دور کی بات ہے۔ 20 دن کے بھارت چین مدمقابل ہونے نے بھارتی کمزوریوں کو نمایاں کر دیا ہے۔ چین اس وقت بھارت کی سازشوں کو مکمل بھانپ چکا ہے اور سرکاری اخبار گلوبل ٹائمز میں 5 جون کو اداریے میں ایک واضح موقف اپنایا گیا ہے اخبار لکھتا ہے کہ:

"انڈیا کو دشمن بنانے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن چین اپنی زمین کا ایک انچ بھی نہیں چھوڑے گا۔ انڈیا اگر حکمت عملی میں کوئی غلطی کرتا ہے اور چین کی زمین چھیننے کی کوشش کرتا ہے تو چین اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ چین سخت جوابی کاروائی کرنے پر مجبور ہو گا۔ چین نے انڈیا کی جانب دوستانہ انداز واضح کر دیا ہے۔ انڈیا

کو امریکہ کے ہاتھوں بے وقوف بننے کی بجائے چین کیلیے گرم جوشی کا اظہار کرنا چاہیے"۔

بدلتی ہوئی صورتحال اور خطے پر اثرات:

بھارت میں BJP کی فاشسٹ حکومت (جو اکھنڈ بھارت اور ہندوتوا پالیسی کی پیروکار ہے) نے ناصرف چین کے ساتھ سرحدی کشیدگی شروع کر رکھی ہے بلکہ پاکستان، بھوٹان اور نیپال کے ساتھ کشیدگی عروج پہ ہے۔ بھارت کی اس حالیہ کشیدگی کا خطے پر نہایت ہی برے اثرات مرتب ہونگے۔چائنہ، پاکستان اور انڈیا تینوں نیوکلیئر پاورز ہیں اور حالات اگر مزید کشیدگی کی طرف جاتے ہیں تو یہ جنگ محدود نہیں رہے گی۔ جس کے باعث ناصرف اس کے خطے پر بلکہ پوری دنیا پر اثرات مرتب ہونگے۔ 5 اگست کے بعد سے جب انڈیا نے مقبوضہ جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کر کے جموں و کشمیر اور لداخ کو اپنی الگ یونین ٹیرٹریز بنانے کا اعلان کیا تو ناصرف پاکستان نے یہ اقدام سلامتی کونسل میں اٹھایا بلکہ چائنہ نے بھی اپنے شدید تحفظات کا اظہار بھی کیا۔ بھارت کے اس اقدام پر پاکستان کی کاوشوں اور چائنہ کی سپورٹ کی بدولت سیکورٹی کونسل کا اس متنازع علاقے پر بھارت کے یک طرفہ اقدام پر ایک خصوصی سیشن بھی منعقد ہو چکا ہے۔ پاکستان شروع ہی سے پوری دنیا کو بھارت کے عزائم سے آگاہ کرتا آرہا ہے۔ پاکستان کے وزیر اعظم عمران خان نے بین الاقوامی توجہ اس جانب مبذول کرواتے ہوئے لکھا کہ:

"مقبوضہ کشمیر پر غیر قانونی قبضہ جمانے جو کہ چوتھے جنیوا کنونشن کے تحت ایک جنگی جرم ہے اور آزاد کشمیر پر دعویٰ کے بعد یہ سب! میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں کہ سفاک مودی سرکار بھارتی اقلیتوں جنہیں اس نے کمتر شہریوں کا درجہ دے رکھا ہے، کیلئے ہی خطرناک نہیں بلکہ علاقائی امن کو بھی اس سے نہایت خطرہ ہے"۔مزید یہ کہ نازیوں کی لیبینزورم (لیونگ سپیس) کی طرح ہندوتوا کے خمیر سے جنم لینے والی مودی سرکار کی توسیع پسندانہ پالیسیز بھارت کے ہمسایوں کیلئے مسلسل خطرہ ہیں۔ شہریت کے قانون سے بنگلہ دیش کو اور ایک ممکنہ جعلی کارروائی سے پاکستان کو خطرہ ہے جبکہ نیپال/چین کے ساتھ سرحدی تنازعات صورت حال کی سنگینی کو ہوا دے رہے ہیں۔اس ساری صورتحال میں چائنہ کے صدر شی جی پنگ نے پیپلز لبریشن آرمی کے اعلیٰ عہدیداروں سے خطاب کرتے ہوئے "جنگ کیلئے تیار رہنے کے احکامات جاری کئے"۔

اختتامیہ:

پوری دنیا میں امن و امان اور استحکام کا دارومدار ایک ملک کے اندر امن اور استحکام پر منحصر ہوتا ہے جبکہ ایک ملک کا امن و استحکام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ہمسایہ میں امن و استحکام نہ ہو۔اگر ہم جنوبی ایشیا، مشرق وسطی اور افریقہ میں دیکھیں تو ایک ملک میں اندرونی خلفشار کا براہ راست اثر دوسرے ملک پہ پڑتا ہے جس سے ناصرف اس خطے کا بلکہ عالمی امن بھی خطرے میں پڑتا ہے۔اگر ہم دو عالمی جنگوں کی تاریخ کو دیکھیں تو توسیع پسندانہ عزائم نے پوری دنیا کو اپنی آگ میں لپیٹ لے لیا تھا۔ جس سے ان جنگوں میں یورپ کی آدھی سے زیادہ آبادی تباہ ہو گئی تھی۔ لیکن جنگ کے بعد وہ خطہ پر امن بنا ہے تو اس کی وجہ اپنے باہمی مسائل کو پر امن طریقے سے حل کرنا تھا۔ آج بھارت اپنے اکھنڈ بھارت، فاشسٹ ہندوتوا پالیسی اور اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے تحت خطے میں وہی تاریخ دہرانا چاہتا ہے۔ آج بیک وقت بھارت کے اپنے تین ہمسایہ چین پاکستان اور نیپال (چین اور پاکستان نیوکلیئر پاورز ہیں) کے ساتھ جارحیت اور کشیدگی کو ہوا دے رہا ہے۔ بھارت جو کہ چانکیائی پالیسی کو فالو کرتا ہے کو اگر رد کر کے اپنے ہمسایہ کے ساتھ تنازعات برابری کی سطح پہ پر امن طریقے سے حل کرے تو ناصرف یہ خطہ بلکہ پوری دنیا تباہی سے بچ سکتی ہے۔اگر دنیا آج بھارت کی فاشسٹ عزائم کو لگام دینے کیلئے آگے نہیں بڑھتی تو تباہی کی یہ آگ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔

☆☆☆

امتِ مسلمہ کے استحکام و بقاء کے لئے اسلامی اصولِ مواخات کے عملی نفاذ کی ضرورت

ڈاکٹر حافظ فیض رسول
(شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ کراچی)

اسلام کا اجتماعی نظام اخوت (بھائی چارہ) کی بنیاد پر قائم ہے جس کے تحت دنیا میں رہنے بسنے والے مسلمانوں کی تمام نسبتوں کو ایک جسم کی مانند متحد و یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس رشتہ اخوت میں انسانی حسب و نسب، رنگ و نسل، برادری و قومیت اور ملک و وطن اور اس جیسی کوئی بھی تفریق حائل نہیں ہے۔ ذات پات، رنگ و نسل، زبان، قومیت، صوبائیت اور ملکی تفریق کی بنا پر آپس میں اختلاف اور تعصب پیدا کر لینا، اسلام کے "تصورِ مواخات" کے سراسر خلاف ہے۔ اخوت ایک ایسی ایمانی قوت ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم و کرم، الفت و محبت، ایثار و تعاون، عزت و احترام اور عفو و درگزر کے مثبت جذبات پیدا کرتی ہے۔

اخوت کا لغوی مفہوم:

"الاخ" یہ لفظ "الاخیۃ والآخِیۃ" سے مشتق ہے۔ یعنی ایسی رسی جس کے دونوں سرے زمین میں گاڑھ دیتے ہیں اور اوپر کو جو حلقہ سا نکلا ہوا ہوتا ہے جس میں جانوروں کو باندھتے ہیں، وہ "الاخیۃ والآخیۃ" کہلاتا ہے۔ لہذا "الاخ" کے معنی ہوئے "ایک حلقے میں بندھے ہوئے یا ایک رسی کے ساتھ بندھے ہوئے"۔[1]

اسی طرح لفظ "اَلاَخُ والاَخُّ" بھائی، دوست، ساتھی اور ہر اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو دوسرے کسی فرد سے خاندان، قبیلہ، قومیت، دین یا محبت میں مشترک ہو۔ "الاخ" کی جمع "الاخوان" دوستی کے لحاظ سے بھائی کے معنی میں اور "الاخوۃ" نسبی بھائی کے معنی میں ہے۔[2]

قرآن حکیم میں لفظِ "اخوۃ" متذکرہ بالا تمام مفاہیم میں مختلف مقامات پر وارد ہوا ہے، جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

ہم قبیلہ افراد کے لئے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا"[3]

"اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا"۔

وطنی و قومی بھائیوں کے لئے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا"[4]

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاو اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام"۔

محبت و یگانگت اور ہمدردی کے لئے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"[5]

"اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں فرمایئے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) ان کی بھلائی کرنا بہتر

---

[1] (مصباح اللغات، ص:5)
[2] (ایضاً۔ ص:5)
[3] (النمل:45)
[4] (الاحزاب:18)
[5] (البقرۃ:220)

ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا حکمت والا ہے"۔

ہر قسم کے اشتراک و مشابہت کے لئے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا"[6]

"بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے"۔

انسان کی مذمت کی انتہا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دے دی جائے جو تمام برائیوں، خرابیوں اور فسادات کا سرچشمہ ہے اور جو لوگ اپنی گمراہیوں، فتنہ پردازیوں سے باز نہیں آتے، نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان انہیں گمراہی میں کھینچے رکھتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ"[6]

"اور جو شیطان کے بھائی ہیں، شیطان انہیں گمراہی میں کھینچے رہتے ہیں سو وہ باز نہیں آتے"۔

ہم رنگ، ہم خیال اور ہم مشرب اقوام کے لئے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ"[7]

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہو گی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلوں کے متعلق کہیں گے۔اے ہمارے رب! ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے"۔

امام عبد الرحمٰن جوزی کا بھی یہی مؤقف ہے کہ متذکرہ بالا آیہ کریمہ میں لفظ "أُخْتَهَا" سے دین و ملت میں ہم رنگ و ہم خیال اقوام مراد ہیں۔لکھتے ہیں:

"كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا وهذه أُخُوَّةُ الدّين والملّة لا أُخُوَّةُ النسب"[8]

اخوان بمقابلہ اعداء (دشمن) کے لئے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا"[9]

"اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن، پس ان نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی"۔

لہذا اخوان وہ ہونگے جن کے مابین کسی بھی طرح کی مخاصمت اور عداوت جیسا کوئی بھی امر حائل نہ ہو۔اس اعتبار سے مومن وہ ہیں جن کے قلوب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل چکے ہوں جس طرح بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ گھل مل جاتا ہے۔

دینی و ملی بھائی چارہ کے لئے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ"[10]

"بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

اہلِ جنت کے باہمی تعلق کے لئے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[6] (الاعراف:202)

[7] (الاعراف:38)

[8] (زاد المیسر فی علم التفسیر، ج:2، ص:118)

[9] (اٰل عمران:102)

[10] (الحجرات:10)

"وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ"[11]

"اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے دلوں میں کینہ تھا وہ بھائی بھائی بن جائیں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے"۔

متذکرہ نصوصِ قرآنیہ سے یہ بات بھی واضح ہے کہ مسلم قومیت کی بنیاد لسانی، نسلی، علاقائی یا وطنی نہیں ہے بلکہ صرف اعتقادی ہے اور جس کا حقیقی مظہر "رشتہ اخوت" میں پنہاں ہے۔ جب اسلام کا تصورِ اخوت مسلمانوں میں مرتبہ کمال کو پہنچتا ہے تو امتِ مسلمہ میں وہ ایک وحدت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو مسلم معاشرت کے حقیقی استحکام اور حقیقی کامیابیوں کی ضامن ہے۔

قرآن حکیم نے اخوت کے دو نظریات پیش کئے ہیں۔ ایک "اخوتِ ایمانی" اور دوسرا "اخوتِ انسانی"۔ رسولِ کریم (ﷺ) پر ایمان لانے والے ایک امت ہیں جسے "امت مسلمہ" کہتے ہیں جو عقل و شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتی ہے اور اس کی حاکمیت کو بھی تسلیم کرتی ہے۔ اسی اعتبار سے دنیا کے سارے مسلمان اخوت کے رشتے میں پروئے ہوئے ہیں۔ لفظ اخوت میں یہ مفہوم بھی مضمر ہے کہ وہ خاندانی طور پر ایک ہی کنبہ کے افراد ہیں اور وہ وحدت جو خون کے رشتے سے پیدا ہوئی ہے وہی وحدت بلکہ اس سے بڑھ کر اور اس سے افضل وحدت ایمان کے رشتے سے بیدار ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی رسولِ کریم (ﷺ) کا فرمان مبارک ہے:

"الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ"[12]

"مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یارومددگار کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے"۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ایک گھر کے تمام افراد خونی تعلق کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کا ہر مسلمان تمام مسلمانوں کو اپنا ولی، اپنا دوست، اپنا ساتھی، اپنا بھائی، اپنا ہمدرد اور اپنا خیر خواہ سمجھے اور خود بھی ان سے خیر خواہی کرے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام نے امت مسلمہ کو ایک خاندان اور ایک کنبے اور ایک دیوار کی مانند قرار دیا۔ حضرت ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسولِ کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

واذکروا نعمت اللہ علیکم إذ کنتم أعداء

فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمتہ إخوانا

صدق اللہ العظیم

"الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا"[13]

"ایک مومن دوسرے مومن کیلئے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے"۔

اسی طرح حضرت نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں بھی آپ (ﷺ) نے مومنین کو ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے۔ آپ (ﷺ) کا ارشاد ہے:

"تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، كَمَثَلِ الْجَسَدِ"[14]

"مومنین کی مثال ان کی باہمی محبت و الفت اور ایک دوسرے کے ساتھ رحم دلی اور آپس میں مہربانی کے معاملے میں ایک جسم کی مانند ہے"۔

یہ بہت بڑی تعلیم ہے کہ دنیا کے کروڑوں انسان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہوں ایک دوسرے کو بھائی بھائی اور جسم و دیوار کی مانند سمجھیں، بلکہ اپنے سگے بھائیوں سے بھی زیادہ بہتر ایک دوسرے کو جانیں۔ اس تعلیم کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ خدا کے بنائے ہوئے فطری رشتے توڑ دیئے جائیں یا ان کی قیمت گرا دی جائے بلکہ یہ تھا کہ اس فطری رشتے سے بڑھ کر بھی ایک رشتہ ہے جو بہت زیادہ قیمتی، بے پناہ محبت کا مظہر اور انسانیت کی تعمیر و تشکیل اور استحکام میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس حیرت انگیز تعلیم و تصور کا اندازہ عہدِ نبوی (ﷺ) میں آپ (ﷺ) کے زیرِ تربیت رہنے والے مختلف اقوام اور نسلوں سے تعلق رکھنے

---

[11] (الحجر:47)

[12] (صحیح البخاری، ج:9، ص:22)

[13] (صحیح مسلم، ج:4، ص:1999)

[14] (صحیح البخاری، ج:8، ص:10)

والے افراد سے ہوتا ہے جنہیں دربارِ نبوی (ﷺ) میں نہ صرف اونچا مقام و مرتبہ عطا ہوا بلکہ تاحیات پذیرائی بھی حاصل رہی، جن میں حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار و یاسر اور حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم) سر فہرست ہیں- اس تعلیم کے عملی مظاہر خلفائے راشدین کے ادوار میں بھی نظر آتے ہیں جس میں مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کو معاشرہ اور امور سلطنت میں بہت اونچے اور بلند درجات عطا ہوئے-

یہی بات تاریخ کے دوسرے ادوار میں بھی نمایاں نظر آتی ہے، اسلام کے اکثر فاتحین، مفکرین اور علمائے دین، غیر عربی نسلوں سے تعلق رکھتے تھے ان میں گورے اور کالے ہر رنگ اور نسل کے لوگ موجود تھے- لیکن ان کے درمیان رنگ و نسل کے امتیاز کا غرور یا مظاہرہ تاریخ کے کسی دور میں دیکھنے میں نہیں آیا- اس کے برعکس آج دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں سیاہ و سفید فام نسل سے تعلق رکھنے کے امتیاز نے تعصب کی بدترین شکل اختیار کرلی ہے، خصوصاً کالے اور رنگین نسل کے لوگوں کے خلاف- اس کی حالیہ مثال امریکہ کے مختلف شہروں سمیت دنیا کے دیگر ترقی پذیر ممالک میں ہونے والے احتجاجی مظاہرے ہیں- جس کا سبب امریکہ میں ایک سیاہ فام جارج فلوئیڈ نامی شہری کا پولیس کی حراست میں ہلاکت کا اندوہناک واقعہ رونما ہونا ہے- اس کے برعکس آج بھی برّاعظم افریقہ سمیت دنیا کے وہ تمام ممالک جہاں سیاہ فام نسل کے لوگوں کی کثیر آبادی موجود ہے، اسلام اسی شان و شوکت اور رواداری کے ساتھ موجود ہے- جس طرح ان ممالک میں ہے، جہاں سفید نسل کے لوگ رہتے ہیں، جیسے ترکی، شام، مصر، فلسطین اور شمالی افریقہ وغیرہ- دنیا میں آج بھی عالمی کانفرنسیں اور مجلسیں ہوتی ہیں جہاں سیاہ فام نسل کے مسلمان دوسرے رنگ کے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں- لیکن ان کے درمیان رنگ و نسل کا کبھی کوئی امتیاز نہیں دیکھا گیا- صرف یہی نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو اچھا سمجھتے اور ایک دوسرے کی عزت کرتے ہیں بلکہ آپس میں کھلے طور پر شادی بیاہ بھی کرتے ہیں- سیاہ فام نسل کے لوگوں کو ان کی قابلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے دوسرے مسلم ممالک میں سرکاری اور غیر سرکاری مناصب بھی ملتے ہیں- اسلام کی دینی زندگی میں ان کو وہی درجہ ملتا ہے جو دوسرے مسلمانوں کو ملتا ہے اور ایسی مثالیں بھی بہت ہیں کہ سیاہ فام نسل کے روحانی پیشواؤں کو دوسری نسل کے مسلمان علماء، فقہاء اور صوفیاء پر ترجیح دی گئی-

آج افریقہ کی اکثر سیاہ فام اقوام اور باقی دنیائے اسلام کے درمیان جو محبت، ثقافت، تعلیم و تربیت کے گہرے اور قریبی تعلقات قائم ہیں، دنیا میں ان کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی اگرچہ افریقہ میں کثیر تعداد عیسائیوں کی بھی ہے- لیکن سفید نسل کے عیسائی ان کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کم درجے کا انسان سمجھتے ہیں- اس لئے اکثر جگہ ان کو شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے، جیسے جنوبی افریقہ کی ریاست میں یا ریاست ہائے متحدہ میں، یہی نہیں بلکہ پاپائے روم کی مجلسِ مشاورت جو 120 سے زیادہ ارکان پر مشتمل ہے جن کی اکثریت سفید فام لوگوں پہ مشتمل ہے- اس میں بس تھوڑے سے برائے نام رنگین نسل کے لوگ بھی شامل ہیں- لیکن ان کو اس مجلس میں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے اور آج تک کوئی سیاہ فام انسان پوپ نہیں ہوا- اس کی وجہ کیا ہے؟ یقیناً تعلیماتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تو رنگ و نسل کا امتیاز مٹاتی ہیں، پھر بھی ایسا کیوں؟ اِس کی وجہ بہت واضح ہے کہ مقتدر کلیساؤں پہ سفید فام لوگوں کا قبضہ ہے اور ان میں نسلی برتری کا تعصب شدید پایا جاتا ہے اِس لئے وہ کلیسا کے اندر سیاہ فام یا دیگر رنگوں کے لوگوں کو برداشت نہیں کرتے- دنیائے مغرب میں رنگین نسل کے لوگوں کے خلاف جو نفرت اور حقارت کے جذبات شدت سے پائے جاتے ہیں وہ اس امر کی دلیل ہیں کہ ان کے وہ تمام افکار و خیالات، تصورات اور فلسفہ جو وہ سیاست، علومِ عمران، اخلاق اور مذہب کے باب میں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ مصنوعی اور فریب ہیں- اس کے برعکس مسلم معاشرے کے استحکام کے لئے اسلام نے جو اخوت کی تعلیم دی ہے اور عملاً امتِ مسلمہ نے جس کا ابتدائے اسلام ہی سے خوبصورت مظاہرہ کیا ہے، وہ نہ صرف انسانیت کی بہترین دلیل ہے بلکہ مسلم سماج کو مستحکم اور منظم و

مربوط بنانے میں معاون و مددگار بھی ہے۔حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ"[15]

"جس نے کسی مسلمان کی دنیا کی بے چینیوں میں کوئی بے چینی دور کی، تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی بے چینیوں میں سے کوئی بڑی بے چینی دور فرمائے گا اور جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا اور جو دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے"۔

اخوت کا اتنا اچھا تصور تو ان خاندانی رشتوں میں بھی نہیں ملے گا جس پر لوگ اکثر جان دیتے ہیں۔ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

"تخریبی قوتیں مسلمانوں کی یک جہتی اور رشتہ اخوت کو تباہ کرنا چاہتی ہیں۔لہٰذا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ جذبہ اخوت کی آبیاری کیلئے اقدامات کرے اور ان عوامل کا قلع قمع کرے جو رشتہ اخوت کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں"۔[16]

اخوت کی دوسری قسم اخوتِ انسانی ہے۔قرآن حکیم میں اس اصطلاح سے متعلق مفاہیم کو بار بار اور مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ تباہی کے کنارے پر پہنچے ہوئے تھے، جب ہم نے تم کو بچالیا اور تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ کر محبت کے رشتہ میں منسلک کر دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ"[17]

"اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن، پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گھڑے کے کنارے پر تو اس نے بچالیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو"۔

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

متذکرہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے "اخوت" کو اپنی نعمتوں میں شمار فرمایا ہے۔درحقیقت اسلام کا یہ "تصورِ اخوت" تمام اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز ہے۔اسی تعلیم پر سب سے پہلے حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہجرت کے بعد مدینہ میں عمل کیا اور انصار و مہاجرین کے درمیان محبت کے رشتے پیدا کئے۔یعنی ہر مہاجر کے ساتھ ایک انصاری کو وابستہ کر کے دونوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس اخوت کو ایک حقیقی ذمہ داری کے طور پر پیش کیا جو انصار اور مہاجرین کے درمیان قائم تمام تعلقات پر حاوی تھی۔یہ قبائلی عصبیت اور قابل نفرت انانیت سے سچی اور پُرخلوص محبت کی طرف عملی کوشش تھی۔حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ"[18]

"ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، تناجش نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے رو

---

[15] (صحیح مسلم، ج:4، ص:2074)
[16] (اسلام کا معاشرتی نظام، ص:421)
[17] (آل عمران:103)
[18] (صحیح مسلم، ج:4، ص:1986)

گردانی نہ کرو، کسی کی بیع پر بیع نہ کرو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر نہ ظلم کرے نہ اس کو رسوا کرے، نہ حقیر جانے"۔

اس عملی سبق کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ دین سارے عالم میں پھیل جائے تو جہاں جہاں بھی مسلمان جائیں اور جن نئی اقوام و ملل کو اسلام کے دائرے میں داخل کریں، ان کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں جس طرح مدینے میں اللہ کے رسول (ﷺ) مہاجرین اور انصار کے ساتھ پیش آئے تھے۔ جس قدر دین اسلام دنیا میں پھیلتا اور بڑھتا جائے، اسلامی برادری کو وسعت ملتی جائے، دنیا کو بھی یہ سبق ملتا رہے کہ یہ ساری خدائی، یہ سارے انسان، ایک ہی خدا کی مخلوق اور ایک ہی کنبے میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کو چاہیے کہ اپنے اندر باہمی محبت اور ہمدردی کے وہی جذبات پیدا کریں جو ایک گھر کے افراد میں ہوتے ہیں۔

آپ (ﷺ) کی اس سنتِ مبارکہ پر مسلمانوں نے ہمیشہ عمل کیا۔ جن نئے ممالک میں مسلمان فاتحین اور مبلغین پہنچے، وہاں مقامی لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی تعلیم و تربیت آپ (ﷺ) نے انہیں دی تھی۔ یعنی ان کے ساتھ برابری اور بھائی چارے کے تعلقات پیدا کئے، ان سے شادی بیاہ کیا، ان کو زندگی کے کاروبار میں شریک کیا، جہاں کہیں سیاسی اقتدار ملا ان کو اقتدار میں بھی شریک کیا۔ بلکہ اکثر جگہ یہ مقامی لوگ پورے اقتدار کے مالک بن گئے لیکن کسی نے یہ شکایت نہیں کی کہ یہ تو مقامی مسلمان ہیں ان کا درجہ کم ہے۔ آپ (ﷺ) کی اسی سنتِ مبارکہ اور تاریخ اسلام کی اسی روایت پر آج تک عمل جاری ہے۔

چنانچہ دنیا میں یہی ایک امت مسلمہ ہی ہے جو آج فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتی ہے کہ جس نے بھی خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم پڑھا، وہ نہ صرف امت مسلمہ میں داخل ہوا بلکہ ایک عالمگیر اسلامی کنبے (رشتہ مواخات) میں داخل ہو گیا۔

درحقیقت یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کا تصور کرنا آسان نہیں اور جس کی تعریف میں جتنا کچھ بھی کہا جائے کم ہے۔ آپ (ﷺ) اور مسلمانوں کو جب مدینہ منورہ میں استحکام حاصل ہو گیا اور مکۃ المکرمہ بھی فتح ہو گیا، اسلام دین و مذہب کے علاوہ

ایک صالح معاشرے، تمدن اور ریاست کا مالک بھی بن گیا تو آپ (ﷺ) نے امراء و روسائے عرب سمیت ہمسایہ سلطنتوں کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کو اسلام کے دعوت نامے بھیجے اور ان خطوط میں واضح کر دیا کہ اس دین میں شریک ہونے والے سب ایک امت ہیں خواہ وہ کسی نسل و قوم سے تعلق رکھتے ہوں، خطوط کی عبارت سے ایک طرف تو اسلامی مساوات کی تعلیم ملتی ہے اور دوسری طرف اخوت کی۔ یہ ایک عظیم اعلان تھا جسے آپ (ﷺ) نے اتنی شان و شوکت اور بلندی سے کیا کہ اطراف عالم کی تمام سمتوں میں اس کی آواز گونج اٹھے اور تمام انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ دین جو عرب سے اٹھا ہے جس کی طرف اللہ کے رسول (ﷺ) نے دعوت دی ہے، یہ صرف ایک عالمی دین ہی نہیں بلکہ ایک عالمی برادری بھی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے علاوہ دنیاوی فائدے اور مصلحتوں کی نعمت بھی مل سکتی ہے۔

قرآن حکیم کی واضح اور روشن آیات انسانوں کی عالمی برادری اور ان کی انسانی وحدت کا نہ صرف پتہ دیتی ہیں بلکہ اس کا اعلان کرتی ہیں اور انسان کو یاد دلاتی ہیں کہ اگر وہ اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو ایک بار قبول کرلے تو وہ آسانی سے ایک اور قدم بڑھا کر خدا کے اس دین میں داخل ہو سکتا ہے جسے رسول اللہ (ﷺ) دنیا میں لے کر آئے ہیں۔ پھر وہ اخوت انسانی سے اخوت ایمانی میں داخل ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ نہ بھی داخل ہو تو بحیثیت انسان کے اسلام اس کا احترام کرتا ہے۔ یہ ہے مختصراً اخوت کا وہ تصور جو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ بقول علامہ اقبال (رحمۃ اللہ علیہ):

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

اسلامی ملت کی اساس اعلیٰ انسانی اقدار، وحدتِ آدم، جذبۂ ایثار و قربانی اور محبت و اخوت پر استوار ہے- اسلام نے اخوت کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا ایک مختصر ساخاکہ ہم نے یہاں پیش کیاہے، یہ واضح رہے کہ یہ تصور کوئی آج کل کی ایجاد نہیں ہے، بلکہ 1400 برس پہلے پیغمبرِ اسلام جناب محمد رسول اللہ (ﷺ) نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا- جب وہ اس تصور سے بالکل ناآشنا تھی اور اس کے سمجھنے کی بھی زیادہ صلاحیت نہیں رکھتی تھی، اس کے تقریباً 1200 برس بعد انقلاب فرانس کا واقعہ پیش آیا، جس میں آزادی، مساوات اور اخوت کے نعرے بلند کئے گئے، جن کی بازگشت ہم سارے عالم میں اب تک سن رہے ہیں- جہاں تک معاملہ اخوت کا ہے تو اس انقلاب کا حال یہ ہے کہ فرانسیسیوں نے افریقہ کے بہت سے ملکوں میں اپنی نو آبادیاں قائم کر کے وہاں کے باشندوں کو غلام بنانا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے افریقہ کے تقریباً آدھے حصے کو اپنا غلام بنا لیا- دوسری عالمی جنگ کے بعد تک اس خطے پر نہایت ظالمانہ طریقے سے حکومت کرتے رہے اور وہاں کبھی آزادی، مساوات اور اخوت کا نعرہ بلند نہیں ہونے دیا- یہاں سب سے قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان نو آبادیوں میں بہت بڑی تعداد ان کے اپنے ہم مذہب عیسائیوں ہی کی تھی- اپنے ہم مذہب سیاہ فام افراد کے ساتھ بھی بدسلوکیاں کیں، ان کی عبادت گاہیں الگ رکھیں ان کی درس گاہیں، معاشرتی مجلسیں اور تمدنی ادارے سب الگ رکھے گئے- یہ سلوک محض اس لئے کیا گیا کیونکہ ان کا قصور سیاہ فام اور رنگین نسل سے ہونا تھا- اس کے برعکس حکومت کے تمام اونچے ادارے اور مناصب صرف سفید رنگ کے لوگوں کے لئے وقف کر دیئے گئے تھے- جو کچھ فرانسیسیوں نے افریقہ میں کیا وہی کچھ برطانیہ، جرمنی، بلجیم، ہالینڈ، روس، اٹلی اور امریکہ نے ایشیاء اور افریقہ کے مختلف حصوں میں کیا- مغرب کا تمدن انقلابِ فرانس کو تمدن جدید کی نہایت خوش آئند بہترین اساس سمجھتا ہے، لیکن اس انقلاب کی ساری برکات سفید رنگ و سفید نسل کے لوگوں کے لئے تھیں اور یہ امتیاز آج تک جاری ہے-

دنیا بھر میں آج بھی عیسائیوں کی تعداد اگرچہ مسلمانوں سے زیادہ ہے لیکن اس عظیم عیسائی امت کے اندر رنگ اور نسل کا تعصب اس قدر شدید ہے کہ اس سے آج دنیا کے بیشتر رنگ دار ملک نہ صرف ذلیل و خوار ہو رہے ہیں بلکہ مغرب کی سیاسی اور اقتصادی استعمار تلے دبے ہوئے ہیں- یہ ہے وہ نعمت جو مغرب کی اخوت سے تیسری دنیا کے رنگ دار غریب لوگوں کو ملی- جس کی حالیہ مثال امریکہ میں سفید فام پولیس اہلکار کے ہاتھوں سیاہ فام شہری کا قتل ہے جس پر امریکہ کے متعدد شہروں سمیت دنیا کے دیگر ممالک بھی سراپا احتجاج ہیں اور اپنے ہی ملک کی املاک کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ ملکی قوانین کی سرِعام دھجیاں اڑا رہے ہیں-

الغرض! روز بروز بدلتے ہوئے معاشرے کی تشکیل میں اسلامی اخوت کے متعدد عملی مظاہر ہیں- عملی اعتبار سے اسلامی اخوت میں تین چیزیں (1- تعاون و ہمدردی، 2- محبت و غم خواری، 3- ایک دوسرے سے مخاصمت اور زیادتی سے اجتناب کرنا) شامل ہیں- جن سے افرادِ معاشرہ کے اخلاق واطوار، طرز عمل اور ذمہ داریوں کی تعیین بھی ہوتی ہے- بقول علامہ اقبال:

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز دار ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

☆☆☆

سورۃ الفاتحہ

سبینہ عمر
(ریسرچ اسکالر، جامعہ کراچی)

تعارف:

سورۃ فاتحہ قرآن مجید فرقان حمید کی وہ عظیم سورۃ ہے جسے اللہ رب العزت نے اُمت محمدی (ﷺ) کیلیے تحفۂ خاص کے طور پر نازل کی۔ سورۃ فاتحہ قرآن کریم کے مقدمے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے دیباچہ یا آغازِ کلام کا معنی بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ قرآن کریم کی پہلی سورۃ ہے اس لیے اسے فاتحہ یعنی افتتاحی (آغاز) کہا جاتا ہے۔ اس کی کوئی آیت ناسخ و منسوخ نہیں۔ اس سورۃ کی ہر آیت محکم ہے اور علوم قرآنی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ سورۃ فاتحہ پر کسی بھی فتنہ پرور کا اعتراض کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ سورۃ فاتحہ کے دلنشین فرامین لطائف و معارف ایک عظیم شان کے مالک ہیں کیونکہ اس کا اسلوب دعائیہ ہے اور اس میں فطرت انسانی کی خاص ترجمانی کی گئی ہے اور یہ انسان کو اس کی حقیقت تک رسائی فراہم کرتی ہے۔ یہ ایسی عظیم سورۃ ہے جو انسان کو روزِ اول سے محشر تک یاد رکھنے کا حکم اور تعلیم دیتی ہے۔ یہ قرآن کریم کے مضامین عقائد، عبادات، قصص اور امثال پر مشتمل ہے گویا یہ سورۃ سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس کے مضامین خلاصۃ القرآن کا درجہ رکھتے ہیں۔ مزید برآں یہ اپنے اندر فلسفہ وحکمت کو ضم کیے ہوئے ہے۔

زمانہ نزول:

یہ مکی سورۃ ہے، یہ حضور رسالت مآب (ﷺ) کے ابتدائی زمانے کی سورۃ ہے۔ آپ (ﷺ) کا مکی دور نہایت مشکل دور تھا اور آپ نہایت نامساعد حالات کا سامنا کر رہے تھے۔ یہ سورۃ آپ (ﷺ) کی تسلی و تشفی کے لئے نازل کی گئی جو کہ قرآن کریم کی سب سے عظیم ترین سورۃ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ بعض مفسرین نے حضرت مجاہد کے قول کی وجہ سے سبع مثانی کی وجۂ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سورۃ مبارکہ دوبار نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں۔

معنی و مفہوم:

سورۃ فاتحہ کا اجمالاً جائزہ لیتے ہوئے ہم اس کے منفرد اسماء، بمعنی و مفہوم اور اس کی سات (7) دلکش آیات کی عظمت کو بیان کرتے ہیں۔

قرآن پاک کا افتتاح اس سورۃ مبارکہ سے کیا گیا ہے اس لئے اس کا نام فاتحہ ہے۔

فاتحہ کا مادہ "فتح" عام طور پر کامیابی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا"[1]

"بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی"۔

یہاں یہ آیت اس نقطہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حقیقی معنوں میں کامیابی اور فتح کی ضمانت اس بات پر منحصر ہے کہ اس کی تعلیمات کی صحیح پیروی اس کی حقیقی معنوں کے مطابق حاصل کی جائے اور اس کے ان فیوض و برکات سے مستفیض ہوں جو اس سورۃ میں پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح ہم مزید فتح کے مطالب پر غور کریں تو "زاد المیسر و الکشف والبیان" کے باب سورۃ فاتحہ کے مطابق یہ لفظ "فتح یفتح" سے مشتق ہے

---

[1] (الفتح:1)

"یعنی کھولنا"۔ فتح سے متعلق قرآن مجید میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا"[2]

"ہم نے ان پر ہر چیز (کی فراوانی) کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں (کی لذتوں اور راحتوں) سے خوش (ہو کر مدہوش) ہو گئے"۔

گویا الفاتحہ سے مراد حقیقی برکت و سعادت کا راستہ کھولنا ہے جو انسانی زندگی کو فکری الجھنوں سے نجات دلا کر ذہنی سکون اور اطمینان قلب تک رسائی دیتی ہے۔

امام راغب اصفہانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ فتح دو قسم کی ہے؛ "فتح ظاہری اور فتح باطنی"۔

"المفردات" میں مذکور ہے:[3]

"ان دونوں میں سے ایک آنکھ سے معلوم ہوتی ہے جیسے دروازہ کھولنا، تالہ، گانٹھ اور سامان کھولنا وغیرہ"۔

"دوسری نور بصیرت سے معلوم ہوتی ہے جیسے نور بصیرت، علمی تاثرات اور روحانی برکات کے باعث اس کا نام الفاتحہ ہونا یقیناً قابل ستائش ہے"۔

باعتبار زمانہ لفظ فاتحہ پر غور کیا جائے تو یہ اِنشراحِ صدر کے مفہوم پر دلالت کرتی ہے جو کہ مُغیّباتِ رَبّانی کے علم کے دَروازے کا کھل جانا اور علومِ معارِف سے فیض یاب ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے کہ المفردات کے مطابق:

"فلاں نے علم کا بند دروازہ کھول دیا"۔[4]

اس معنی کو اگر قرآن کریم کے مطابق جانچتے ہیں تو قرآن فرماتا ہے:

"قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ"[5]

"کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) سے (نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت اور شان کے بارے میں) وہ باتیں بیان کر دیتے ہو جو اللہ نے تم پر تورات کے ذریعے ظاہر کی ہیں تا کہ اس سے وہ تمہارے رب کے حضور تمہیں پر حجت قائم کریں"۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ یہ "فتح یفتح" سے مشتق ہے یعنی کھولنا اور اس فتح سے مفتاح مشتق ہوا ہے جس کا مطلب کنجی ہے اور اس کی جمع پر نظر کی جائے تو "مفاتح" اور "مفاتیح" سامنے آتے ہیں۔

کنجی کے معنی کو لیا جائے تو یہ ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے کسی بند چیز کو کھولا جا سکتا ہے اور سورۃ فاتحہ کے مفہوم پر غور کیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ سورۃ کی تعلیمات یقیناً اپنے مطالب و معارف میں مخفی اسرار و رموز پنہاں کیے ہوئے ہے جن تک رب تعالیٰ کی منشا کے بنا کوئی رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ"[6]

"اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جن سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اس کے پاس (اس کی قدرو ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا"۔

درجہ بالا آیات میں مفاتح لفظ جو کہ مفتاح کی جمع ہے اس کا مطلب کھولنا، منکشف کرنا ہے۔

گویا کنجیوں کا موجود ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مَشِیّتِ ایزدی غیب کو بند رکھنا نہیں چاہتی بلکہ اسے کھولنا چاہتی ہے؛ اور غیب کا کھلنا "باطنی علم کا کھلنا" ہے یعنی اس کا صحیح معنوں میں ادراک ہونا ہے۔

اب یہاں علم کے کھلنے سے مراد وہ علم نہیں ہے جو صحیفوں سے حاصل ہوتا ہے بلکہ در حقیقت وہ خاص علم ہے جو کہ انسان کے باطن میں بُوٹی کی مانند پیوست ہو کر پھلتے پھولتے خوشبودار تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ سورہ فاتحہ کی ابتداء "الحمد للہ" میں

---

[2] (الانعام:44)
[3] (المفردات:621)
[4] (ایضاً)
[5] (البقرۃ:46)
[6] (الانعام:59)

اسم اللہ کے بارے میں صوفی بزرگ حضرت سخی سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) صاحب اپنے خوبصورت کلام میں فرماتے ہیں کہ:

الف: اللہ چنبے دی بوٹی میرے مَن وِچ مُرشد لائی ھو
نَفی اَثبات دَا پَانی مِلیس ہَر رَگے ہَر جَائی ھو
اَندر بُوٹی مُشک مَچایا جَاں پھُلاں تے آئی ھو
جیوے مُرشِد کامِل باھوؒ جیں ایہہ بُوٹی لائی ھو

حضرت سخی سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) یہاں ”الف: اللہ چنبے دِی بُوٹی“ میں موجود اس علم کو بیان کر رہے ہیں جس کی کنجیاں اللہ رب العزت کے پاس ہیں جس کی بدولت باطن کو شعور نصیب ہوتا ہے اور علم و معرفت کے دروازے کھلتے ہیں- کیونکہ وہ جس کیلیے چاہے غیب کو فتح فرمادے اور جس کے لیے چاہے علم و ہدایت کے مخفی خزانوں کا دروازہ کھول دے اور علم و معرفت کی راہ میں آنے والی رکاوٹیں دور کر کے غنی علوم عطا کر کے کامیاب کر دے-

ذات باری تعالیٰ نہ صرف علام الغیوب ہے بلکہ وہ ذات اقدس تو فاتح الغیب بھی ہے-

(الفاتحہ) سورۃ حق تعالیٰ کی خصوصی ہدایت، جنت کے خزانوں کا دروازہ یعنی علم و معرفت کے دروازے کھولنے والی ہے- اس لئے اس کا مقام قرآن کریم کی ابتداء میں ہے جس کے بغیر کامیابی ناممکن ہے- جیسا کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمانِ ذیشان ہے:

”جو بامقصد کام حمدِ الٰہی سے شروع نہ کیا گیا اس میں (حقیقی) کامیابی نہیں ہوتی“-[7]

حقیقی کامیابی کیلیے انتہائی عاجزی اور کمال خشوع کے ساتھ ساتھ قرآنی علوم و ہدایت کا دروازہ اگر کسی سورۃ سے کھلتا ہے تو وہ سورۃ فاتحہ ہے اور جس کو فاتحہ کی حقیقت نصیب ہے تو یہ قابل قدر اور قابل ستائش بات ہے کہ اس پر ہدایت کے خزانے کھول دیے گئے-

سورہ فاتحہ کے بہت سے اسماء ہیں جو اس کی فضیلت و شان و تقدیس کو بیان کرتے ہیں- ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

1. اُم الکتاب، اُم القرآن

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

”الحمدُ للہ ربّ العالمین اُم القران و اُم الکتاب والسبع المثانی“-[8]

”الحمدللہ ربّ العالمین (یعنی سورہ الفاتحہ) اُم القرآن، اُم الکتاب اور السبع المثانی ہے“-

حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

”لا صلاۃ لمن لم یقرأ بأم القران“-[9]

”اس شخص کی نماز نہیں ہوئی جس نے اُم القرآن (یعنی سورہ الفاتحہ) نہیں پڑھی“-

وجہ تسمیہ اُم:

اہل عرب کسی بھی کام کی جڑ کو ”اُم“ کہتے ہیں جس کے اجزاء اُسی کے تابع ہوں- اسی طرح ”اُم الراس“ اس جلد کو کہا جاتا ہے جو پورے دماغ کی جڑ یا جامع ہو- اسی طرح اہل لشکر اپنے علم یا علامتی نشان جس کے نیچے سب مجتمع ہوں اُم کہتے ہیں- مکّہ کو بھی (اُم القری) کہا جاتا ہے کیونکہ یہ پہلا شہر ہے جہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں-

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ“-[10]

”بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے“-

2. السبع المثانی:

سورہ الفاتحہ کا یہ نام ”السبع المثانی“ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

”وَ لَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ“-[11]

”اور بیشک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں یعنی (سورۃ الفاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے“-

---

[7] (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح)
[8] (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ)
[9] (مسند احمد، ج:5، ص:322)
[10] (آل عمران:92)
[11] (الحجر:87)

جامع ترمذی، مسند احمد، بیہقی، دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی، حضرت عبد اللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) نے متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا:

"و انها السبع من المثانی و القرآن العظیم اعطیته"[12]

"یہی سورۃ سبع مثانی ہے اور یہ وہ قرآنِ عظیم ہے جو مجھے دیا گیا"۔

3. اساس القرآن:

سورۃ فاتحہ کا ایک نام اساس القرآن بھی موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قرآنِ کریم کی اساس یعنی بنیاد کی اہمیت رکھتی ہے۔

4. سورۃ الشکر:

سورۃ فاتحہ کو سورۃ شکر بھی کہا جاتا ہے اور وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۃ کا پڑھنا شکرِ الٰہی کرنا ہے جو عطا، رحمت، نعمت اور ہدایت کی صورت میں عظیم احسان، اللہ کریم نے ہم پر کیا ہے اس کی تعریف بھی شکر کے زُمرے میں آتی ہے۔

5. سورۃ الکنز:

کنز کے لغوی معنی خزانے کے ہیں اور یہ سورۃ علوم و ہدایات اور اسرار و رموز کا خزانہ خود میں سموئے ہوئے ہے۔

"جامع الترمذی" میں مذکور ہے:

"خدا کی قسم جس کے قبضۂ قُدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی مثل تورات، انجیل، زبور اور خود قرآن میں بھی نازل نہیں فرمائی"۔[13]

6. سورۃ النور:

ایک دفعہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آپ (ﷺ) کی خدمت میں تشریف فرما تھے کہ دھماکے کی ایک زور دار آواز آئی۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے اوپر دیکھا اور عرض کیا کہ آج آسمان کا وہ دروازہ کُھلا ہے جو پہلے کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر ایک فرشتہ بارگاہ رسالت مآب (ﷺ) میں حاضر ہوا اور عرض کی "یارسول اللہ" (ﷺ) خوش ہو جایئے:

"آپ (ﷺ) کو دو نور ایسے عطا کیے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے تھے ایک سورۃ الفاتحہ اور دوسرا سورۃ البقرۃ کی آخری دس آیات۔ ان میں سے جو حرف آپ پڑھیں گے آپ (ﷺ) کو نور میسر آئے گا"۔[14]

یوں تو کلامِ الٰہی تمام تر نور ہی ہے لیکن اس نور کا پیکر کمال کا درجہ سورۃ الفاتحہ کو حاصل ہے۔

7. سورۃ الرقیہ:

"رقیہ" لفظ عربی زبان میں تریاق کیلیے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ:

"چند صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سفر میں تھے کہ ایک خاتون نے سانپ کے ڈسے تریاق کی بابت اُن سے دریافت کیا تو ایک صحابی نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اس شخص پر دم کر دیا جس سے وہ صحت یاب ہو گیا، آپ (ﷺ) تک یہ ماجرا پہنچا تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ (یہ) سورت تریاق ہے"۔[15]

8. فاتحۃ الکتاب:

"سنن الدرمی" میں روایت مذکور ہے:

"من لم یقرأ بام الکتاب فلا صلوٰۃ له"[16]

"جس نے ام الکتاب (سورۃ فاتحہ) نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہے"۔

حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

"لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"[17]

"اس شخص کی نماز نہ ہوئی جس نے فاتحۃ الکتاب (یعنی سورہ فاتحہ) نہیں پڑھی"۔

عبد الملک بن عمیر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء"[18]

[12] (جامع الترمذی، ابواب فضائل القران)
[13] (ایضاً)
[14] (صحیح مسلم، کتابِ فضائل القران)
[15] (صحیح البخاری، کتاب الفضائل القران)
[16] (سنن الدرمی، کتابِ الصلوٰۃ)
[17] (سنن نسائی، کتاب الافتتاح)
[18] (سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن)

"سورۃ فاتحہ ہر مریض کے لیے شفاء ہے"۔

9. سورۃ الواقیہ:

الواقیہ سے مراد کسی کو تکلیف اور مصیبت سے محفوظ کرنا اور چھپا لینے کے ہیں اسی لحاظ سے یہ سورۃ اپنی برکات سے انسان کو مصائب و آلام سے بچاتی ہے اسی لیے اس کا نام الواقیہ بھی ہے۔

10. سورۃ الکافیہ:

اس سورہ کو سورۃ الکافیہ بھی کہا جاتا ہے کہ کوئی سورۃ اس کی جگہ پر مکمل اور کافی نہیں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"سورۃ ام القران ہر ایک سورۃ کا عوض ہے لیکن کوئی اور سورۃ اس کا عوض نہیں"۔[19]

11. سورۃ الدعا:

سورۃ الفاتحہ کا اسلوب دعائیہ ہے اور اسی بناء پر اسے سورۃ الدعا بھی کہا جاتا ہے۔

12. سورۃ الوافیہ:

سورۃ الفاتحہ کا نام الوافیہ بھی ہے اس کے معنی ہیں پورا کرنا۔ اس کا نصف پڑھنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دیگر سورتیں جن کی آیات کم از کم چھ سے زائد ہوں انہیں نصف کر کے دو رکعت میں پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن سورۃ الفاتحہ کیلیے اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اسے ہر رکعت میں مکمل ہی پڑھا جائے گا۔ اس لئے اسے "الوافیہ" کہا گیا اور اجر و ثواب کی کثرت بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

13. سورۃ الشفاء:

امام دارمی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "مسند" اور امام بیہقی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے:

"فاتحۃ الکتاب زہر کے لئے شفاء ہے"۔[20]

حضرت سعید بن منصور اور امام بیہقی (رحمۃ اللہ علیہما) حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے مرفوعاً مروی ہے:

"فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء"[21]

14. سورۃ الحمد:

سورۃ فاتحہ کا آغاز لفظ "الحمد" سے ہوتا ہے اسی لحاظ سے اس سورہ کا نام "سورۃ الحمد" ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ کی تعریف اور توصیف بیان کی گئی ہے جو کہ اللہ کی شان اور کبریائی کے تذکرے سے معمور ہے اور اس کے احسانات و انعامات کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

حضرت ابو سعید بن معلیٰ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"قرآن کی سب سے عظیم سورۃ الحمد ہے"۔[22]

15. سورۃ المناجات:

سورۃ فاتحہ کا ایک نام "سورۃ المناجات" بھی ہے۔ سورۃ فاتحہ کے ابتدائی لفظ کے علاوہ یہ پوری سورۃ رب تعالیٰ کی کبریائی اور مناجات پر مشتمل ہے۔

16. سورۃ الصلاۃ:

سورۃ فاتحہ کو سورۃ الصلاۃ بھی کہا جاتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کی شان اور ناگزیریت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سورۃ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس کا پڑھنا واجب ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"جس نے "فاتحۃ الکتاب" نہ پڑھی اس کی نماز پوری نہ ہوئی"۔[23]

اس کے علاوہ اس کے ناموں میں یہ بھی شامل ہیں:

17. سورۃ التفویض

18. سورۃ تعلیم المسئلہ

19. سورۃ السوال

سورۃ فاتحہ کے مضامین کا اجمالی جائزہ:

سورۃ فاتحہ کے مضامین کا اجمالی جائزہ لیں تو اس کی ابتدائی آیات "علم العقائد" اور زندگی کی عملی پہلو کی اصلاح کے بعد تصوّرِ ہدایت کی طرف توجہ مرتکز کرتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ:

اس مقدس سورۃ کی ابتداء "الحمد للہ" سے ہوتی ہے اس میں لفظ "اللہ" رب کائنات کی صفت الوہیت کی طرف اشارہ

[19] (تفسیر کبیر، ج:1، ص:176)

[20] (ایضاً)

[21] (کنز العمال، رقم الحدیث:2500)

[22] (صحیح بخاری، کتاب الفضائل القران)

[23] (تفسیر کبیر، ج:1، ص:162)

کرتا ہے کہ وہ یکتا ذات ہے جو تمام تعریفوں کی مستحق ہے وہی ذات مالکِ کائنات ہے جو اللہ کہلانے کا حق رکھتی ہے اور وہی حقدارِ الوہیت ہے۔ یہاں لفظ ''الہٰ'' سے مراد وہ ذات اقدس ہے جو تمام تر کائنات کی خالق ہے اور ہر کمال کی ابتداء اور انتہاء اُسی سے شروع اور اُسی پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔الوہیت کا ذکر قران پاک میں متعدد مقامات پر بدرجہ اتم موجود ہے۔

سورہ فاطر میں ارشاد ہے:

''هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ''[24]

''اللہ کے سوا کیا کوئی اور خالق ہے؟ جو آسمان اور زمین سے رزق عطا کرے۔اُس کے سوا کوئی الہٰ نہیں''۔

ربّ العالمین:

کائنات میں انسان کی حقیقت کا نقطۂ آغاز ربوبیت سے اِس طرح ہے کہ ربّ العالمین کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ صفات ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں جس کا قرآن پاک میں یوں ارشاد ہے:

''أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ''[25]

''کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے؟ کیوں نہیں! (تو ہی ہمارا رب ہے) ہم گواہی دیتے ہیں تا کہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے''۔

یہ وہ کلمات ہیں جس کے ذریعے حقیقتِ انسانی کا آغاز اقرارِ ربوبیت کی صورت میں رونما ہوا۔سورۃ فاتحہ کے افتتاحی کلمات ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' روزِ اوّل کے اس وعدے کی یاد دلاتے ہیں جس کا قول و اقرار خالق اور مخلوق کے مابین ہوا۔سورۃ فاتحہ انسان کو اس کے رب کی طرف رجوع کی یاد دلاتی ہے جو کہ حقیقتِ انسان کا پہلا سبق بھی ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:

سورۃ فاتحہ میں صفت الوہیت اور صفت ربوبیت کے بعد جس صفاتِ مبارکہ کا ذکر ہے وہ ''رحمٰن اور رحیم'' ہے۔خالقِ کائنات کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ پوری کائنات پر چشمۂ رحمانیت کا فیض حاوی ہے۔

جیسا کہ قرآنِ مجید میں ذکر ہے:

''رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ''[26]

''آسمان اور زمین اور جو کچھ اُس کے درمیان میں ہے سب پرور گار رحمٰن کا ہے''۔

''وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ''[27]

''اور بیشک آپ کا ربّ ہی غالب رحم فرمانے والا ہے''۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ:

لفظ دین (د-ی-ن) جزا اور اطاعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔دین کی جزا اور سزا سے مراد وہ جزا کے دن کا مالک ہے اور اچھے برے اعمال کا بدلہ اُسی کے ہاتھ ہے۔سورہ الفاتحہ کی اِس آیت ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' میں ربّ تعالیٰ کی شانِ مالکیت بیان کی گئی ہے کہ وہ مالکِ کائنات زندگی کے آغاز سے لے کر انجام تک ہر پہلو سے واقف ہے اور جو اصول اور ضابطۂ حیات اُس نے مقرر کیا ہے اُس کے مُطابق روزِ جزا یعنی قیامت والے دن اُن کا مؤاخذہ کرے گا تو یہاں اس آیت سے مراد دین کی جزا اور سزا کا مالک ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ:

علوم العقائد کے بعد سورۃ فاتحہ زندگی کے عملی پہلو کی اصلاح کی طرف رجحان پیدا کرتی ہے۔سورہ فاتحہ کی آیت ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْن''، ''(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں''۔عبادت سے مراد انتہائی عاجزی ہے سورۃ فاتحہ اس میں یہ تعلیم دیتی ہے کہ مالک کائنات صرف اللہ ربّ العزت ہے اور اُسی سے ہی

---

[24](سورہ فاطر:3)

[25](الاعراف:172)

[26](سورہ النباء:37)

[27](الشعراء:9)

استعانت میں انسان کی بقاء اور بھلائی ہے اور وہی مالک کائنات عبادت کے لائق ہے اور وہی عظمت و کبریائی کا مالک ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ:

یہ اسلوب دعائیہ ہے اور اس میں ربّ تعالیٰ سے استدعا کی گئی ہے کہ صحیح راستے کی رہنمائی فرما یعنی وہ راستہ جس پر چل کر زندگی و آخرت میں کامیابی حاصل ہو اور زندگی کا حقیقی مقصد حاصل ہو سکے اور استقامت اور حصول مقصد کی ضمانت کے ساتھ منزل مقصود تک رسائی بھی ممکن ہو۔

سورہ فاتحہ کی آخری آیت:

"صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"

"ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، اُن لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ (ہی) گمراہوں کا"۔

یہ آیت جن ہستیوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی طرف ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ برگزیدہ بندے ہیں۔

سورۃ فاتحہ وہ عظیم سورت ہے جس نے راہ حق کو راہ باطل سے جدا کیا۔ اس لئے جو طالب ان ہستیوں کا ہم سفر ہو جائے گا اسے شیطان بھٹکا نہ سکے گا۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی آیت میں شیطان کی بے بسی عیاں ہے۔

"وَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"[28]

"ان سب کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا۔ سوائے تیرے اُن برگزیدہ بندوں کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے) خلاصی پا چکے ہوں"۔

سورۃ فاتحہ کی عظمت:

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نماز کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آدھی میرے لیے ہے اور آدھی میرے بندے کے لئے اور میرے بندے کو وہی ملے گا جو اس نے مانگا"۔[29]

پھر حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کہتا ہے تو باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"حمدنی عبدی" "میرے بندے نے میری حمد کی"۔

جب بندہ "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:

"اثنی علی عبدی"

"میرے بندے نے میری مزید تعریف کی"۔

جب بندہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:

"مجدنی عبدی وھذا لی"

"میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور یہ میرے لیے ہے"۔

اس کے بعد جب بندہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:

"ھذا بینی وبین عبدی"

"یہ بات میرے اور میرے بندے کے درمیان منقسم ہے"۔

پھر جب بندہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہتا ہے تو ندا آتی ہے:

"ھذا لعبدی ولعبدی ما سئال"

"یہ حصہ خالصتاً میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کو وہی ملے گا جو اس نے مانگا"۔[30]

حرفِ آخر:

یہ ایک ایسی عظیم سورۃ ہے کہ ہر روز اڑتالیس (48) مرتبہ مومن کا مشامِ جان معطر کرتی ہے۔ سورۃ فاتحہ نے حیاتِ انسانی کا جو مقصد بیان کیا اور جس طرح نصب العین کے تعین سے لے کر حفاظت و استقامت کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچنے کی تعلیم دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سورۃ الفاتحہ زندگی کے جُملہ علوم کا احاطہ کرتی ہے اور قرآنی ہدایت کی صحیح معرفت تک رسائی کے دروازے کھولتی ہے۔

☆☆☆

[28](الحجر:39-40)

[29](جامع الترمذی ابواب تفسیر القران)

[30](جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن)

احکامِ قربانی

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

عید الاضحیٰ کو "اضحیٰ" کا نام چاشت کے وقت قربانی کے جانور کے ذبح کرنے کی وجہ سے دیا جاتا ہے- نیز ہر ذبیحہ (ذبح کی ہوئی چیز) کو "اُضْحِیَّۃٌ" نہیں کہہ سکتے کیونکہ اصطلاحِ شرع میں یہ نام ہے اس مخصوص جانور کا جس کو نیتِ قربت کی شرائط اور اسباب کے پائے جانے کے وقت ذبح کیا جائے-[1]

(اس کے وجوب کی شرائط: عاقل، بالغ، اسلام، آزاد، مقیم، صاحب استطاعت، قربانی کا وقت)

قرآنِ کریم میں تقریباً نصف درجن آیاتِ مبارکہ میں قربانی کی حقیقت، حکمت اور فضیلت بیان کی گئی ہے- تاریخِ قربانی اتنی ہی پرانی ہے جتنی تاریخِ انسانی- اس کی ابتداء حضرت آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کی قربانی سے ہی شروع ہو جاتی ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں یوں ارشاد فرمایا:

"وَاتْلُ عَلَیْہِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ م اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِہِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ"[2]

"(اے نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) آپ ان لوگوں کو آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کی خبر سنائیں جو بالکل سچی ہے جب دونوں نے (اللہ کے حضور ایک ایک) قربانی پیش کی سو ان میں سے ایک (ہابیل) کی قبول کر لی گئی اور دوسرے (قابیل) سے قبول نہ کی گئی"-

امام طبری (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس آیت مبارک کے تحت حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت نقل کی جس کا مفہوم یہ ہے:

"اللہ عزوجل کی بارگاہِ اقدس میں حضرت ہابیل (علیہ السلام) نے مینڈھے کی قربانی کی اور قابیل نے کھیت کی پیداوار میں سے کچھ غلہ صدقہ کر کے قربانی پیش کی- اُس زمانے کے دستور کے موافق آسمانی آگ نازل ہوئی اور ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا، قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا"-

مزید آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے ابن رافع (رضی اللہ عنہ) کی روایت نقل کرتے ہوئے رقم فرمایا:

"اور وہ مینڈھا جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ اس کو سیدنا اسماعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) کا فدیہ بنایا گیا"-

اِس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا عبادت ہونا حضرت آدم (علیہ السلام) کے زمانے سے ہے اور اس کی حقیقت تقریباً ہر ملت میں رہی- البتہ اس امت میں اس کی خاص شان اور پہچان حضرت اِبراہیم و حضرت اِسماعیل (علیہما السلام) کے واقعہ مبارک سے ہوئی- جیسا کہ حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) کا قول ہے کہ اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قربانی کیا چیز ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی کہ اس قربانی سے ہمیں کیا ثواب ملے گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ہر بال کے عوض ایک نیکی- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر اون ہو؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی ملے گی"-[3]

ایک مقام پہ اللہ پاک نے قربانی کے جانور کو شعائر اللہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰہَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللہِ لَکُمْ فِیْہَا خَیْرٌ"[4]

---

[1](ابن عابدین شامی، رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الاُضحیۃ)

[2](المائدۃ:27)

[3](سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی)

[4](الحج:36)

"اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے"۔

اندازہ لگائیے کہ! اللہ پاک نے قربانی کے جانور کو شعائر اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کو دلوں کے تقوٰی کی علامت قرار دیا ہے۔جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ"[5]

"اور ہم نے ہر امت کیلیے ایک قربانی مقرر کر دی ہے تاکہ وہ ان مویشی چوپایوں پر جو اللہ نے انہیں عنایت فرمائے ہیں (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں"۔

یاد رہے! کہ اہل عرب کے نزدیک "بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ" سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری ہیں۔اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے کی بجائے غریبوں کو وہ رقم صدقہ کر دی جائے۔

فضیلت ذوالحج، تکبیراتِ تشریق:

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝[6]

"اس صبح کی قسم اور دس (مبارک) راتوں کی قسم"۔

اسی آیت کے تحت امام الطبری (رحمۃ اللہ علیہ) سیدنا عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا فرمان مبارک نقل کرتے ہوتے لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جن دس راتوں کی قسم کھائی ہے، یہ ذوالحجہ کی پہلی (دس) راتیں ہیں"۔

حضرت ھُنَیدَہ بن خالد کی زوجہ صحابیہ نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعض ازواج مطہرات ؓ سے بیان کرتی ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) يَصُومُ تِسْعَ ذِي الْحِجَّةِ"

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ذوالحجہ کے (پہلے) 9 دنوں کے روزے رکھتے"۔[7]

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلیے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے"۔[8]

ایامِ تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی صبح سے تیرہ تاریخ کی نمازِ عصر تک بالغ مرد اور عورت پر تکبیر تشریق واجب ہے۔البتہ مرد بلند آواز سے اور عورت آہستہ سے تکبیرات ادا کرے گی۔حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی حیاتِ طیب میں یہ عمل مبارک فرمایا کرتے تھے۔

"حضرت علقمہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یوم عرفہ کی فجر سے قربانی کے (آخری) دن کی عصر تک تکبیرات ادا فرمایا کرتے تھے"۔[9]

(تکبیرات تشریق یہ ہیں:"اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد)

اب یہاں نہایت اختصار کے ساتھ قربانی کے فضائل و مسائل رقم کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

تاجدارِ دو عالم سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قربانی:

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو مینڈھے خریدتے جو موٹے تازے سینگوں والے اور سیاہ رنگ کے ہوتے ایک اپنی امت کی جانب سے ذبح فرماتے جو بھی اللہ پاک کو ایک جانتا ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا قائل ہو دوسرا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے ذبح فرماتے"۔[10]

حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا میں عید الاضحیٰ کے روز عید گاہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں موجود تھا جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خطبہ مکمل فرمایا تو منبر سے اترے اور ایک مینڈھا لایا گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے اپنے دست اقدس سے ذبح فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"اللہ پاک کے نام سے شروع، اللہ اکبر (اللہ بڑا ہے) یہ میری طرف سے ہے اور میرے اس امتی کی طرف سے جو قربانی نہ کر سکے"۔[11]

حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ:

---

[5] (الحج:34)

[6] (الفجر:2)

[7] (سنن ابی داؤد، کتاب الصوم)

[8] (سنن الترمذی، ابواب الصوم)

[9] (مصنف ابن شیبہ، کِتَابُ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ)

[10] (ابن ماجہ، کتاب الاضاحی)

[11] (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا)

"میں عید الاضحیٰ کے روز عید گاہ میں رسول پاک (ﷺ) کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ جب آپ (ﷺ) نے خطبہ مکمل فرمایا تو منبر سے نیچے تشریف لائے اور ایک مینڈھا لایا گیا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اسے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمایا اور ارشاد فرمایا: "بسم اللہ، اللہ اکبر، یہ میری طرف سے اور میرے ہر اس امتی کی طرف سے جو قربانی نہ کرسکے"۔[12]

حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کا مبارک عمل اور عوام کے لیے سبق:

حضرت حنش (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے:

"میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو دو دنبے قربانی کرتے دیکھا تو عرض گزار ہوا کہ یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ رسول پاک (ﷺ) نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ (ﷺ) کی طرف سے قربانی کروں۔ چنانچہ (ارشاد عالی کے تحت) ایک قربانی حضور پاک (ﷺ) کی طرف سے پیش کر رہا ہوں"۔[13]

علمائے کرام ان روایاتِ مبارکہ سے استنباط فرماتے ہیں کہ جن کے والدین یا عزیز و اقارب فوت ہو گئے ہوں ان کی طرف سے قربانی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ یعنی ایک شخص دوسرے شخص کی جگہ قربانی کر سکتا ہے۔

قربانی کی فضیلت:

"حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے رِوایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے سیدہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) سے ارشاد فرمایا:

"اے فاطمہ! اُٹھو اور اپنی قربانی کے پاس (ذبح کے وقت) موجود رہو؛ اِس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی تمہارے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، یہ قربانی کا جانور قیامت کے دِن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور تمہارے ترازو میں ستر گنا (زیادہ) کر کے رَکھا جائے گا۔ حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی: یا رسول اللہ! (ﷺ) کیا یہ فضیلت آلِ محمد (ﷺ) کے ساتھ خاص ہے جو کسی بھی خیر کے ساتھ مخصوص ہونے کے حق دار ہیں یا کیا یہ فضیلت آلِ محمد (ﷺ) کیلیے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لیے عموماً ہے؟ آپ (ﷺ) نے اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا: یہ فضیلت آلِ محمد (ﷺ) کیلیے خصوصاً اور عموماً تمام مسلمانوں کیلیے بھی ہے"۔[14]

"حضرت سیدنا امام حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص خوش دِلی کے ساتھ اجر و ثواب کی اُمید رَکھتے ہوئے قربانی کرے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے رُکاوٹ بن جائے گی"۔[15]

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عید گاہ میں حاضر نہ ہو"۔[16]

قربانی کی استطاعت رکھنے والے کیلئے حکم:

حضرت اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) کا بیان ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو وہ دس ذوالحجہ تک اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے اور پھر دسویں تاریخ کو قربانی کے بعد حجامت بنوائے"۔[17]

قربانی کی استطاعت نہ رکھنے والے کیلیے حکم:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک شخص کو فرمایا:

"مجھے ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو عید کرنے کا حکم ہوا اللہ تعالیٰ نے اس دن کو میری امت کے لئے عید بنایا۔ اس شخص نے عرض کی اگر میرے پاس کچھ نہ ہو اور صرف ایک ہی اونٹنی یا بکری ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ تم اپنے بال کٹواؤ، ناخن تراشو، مونچھوں کے بال چھوٹے کرو اور زیرِ ناف بالوں کو صاف کرو پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری پوری قربانی یہی ہے"۔[18]

---

[12] (ایضاً)

[13] (ایضاً)

[14] (سنن الکبری، کتاب الضحایا)

[15] (المعجم الکبیر للطبرانی، باب: حسن بن حسن بن علی عن أبیہ)

[16] (مسند احمد بن حنبل)

[17] (سنن نسائی، کتاب الضحایا)

[18] (ایضاً)

جانور کا جن عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے:

رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”چار قسم کے جانوروں کی قربانی درست نہیں- ایک کانا جانور جس کا کانا پن صاف معلوم ہو- دوسرا بیمار جانور جس کی بیماری عیاں ہو- تیسرا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن صاف معلوم ہو- چوتھا ناتواں اور کمزور جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو“-[19]

حضرت جری بن کلیب (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ:

”میں نے حضرت علی المرتضٰی (رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ رسول پاک (ﷺ) نے اس جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو- پھر انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت سعید بن المسیب (رضی اللہ عنہ) سے کیا تو انہوں نے فرمایا ہاں جب سینگ آدھا یا آدھے سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں اگر اس سے کم ہو تو درست اور جائز ہے“-[20]

یاد رہے! کہ فقہائے کرام نے جانوروں کے عیوب کا احادیثِ رسول (ﷺ) کی روشنی میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ جانور کا جو نقص اس کی قیمت میں کمی کا باعث ہو وہ عموماً عیب میں شمار ہوتا ہے-

قربانی کے گوشت اور کھال کا حکم:

حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے:

”رسول اللہ (ﷺ) نے پہلے تو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع فرمایا پھر آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کھاو، سفر کے لیے جمع کرو اور تم ذخیرہ بھی کر سکتے ہو“-[21]

اسی طرح قربانی کی کھالوں کے بارے میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے مجھے قربانی کی ہر چیز تقسیم کرنے کا حکم فرمایا خواہ گوشت ہو یا جھول، سب غریبوں میں تقسیم کر دی جائے ان مذکورہ احادیث مبارکہ سے فقہاء کرام نے جو احکام مستنبط فرمائے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

”قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسرے شخص کو غنی یا فقیر کو بھی دے سکتا ہے (جس طرح حج کے دوران کرتے ہیں) بلکہ اس میں سے کچھ کھا لینا قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے- بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کر لے ایک حصہ فقراء، دوسرا عزیز و اقارب اور تیسرا اپنے گھر والوں کے لئے لیکن ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے- کُل کا صدقہ کر دینا بھی جائز ہے اور کُل کا گھر میں رکھ لینا بھی جائز ہے- تین دن سے زائد اپنے اور گھر والوں کے لئے لینا بھی جائز ہے“-[22]

”قربانی کا چمڑا اور اس کی جھول، رسی اور اس کے گلے کا ہار ان سب چیزوں کا صدقہ کر دے- قربانی کے چمڑے سے جائے نماز، چھینی، رتھیلی، مشکیزہ، دستر خوان، ڈول وغیرہ بنائے جاسکتے ہیں“-[23]

”اگر قربانی کا چمڑا بیچا تو رقم صدقہ کرنا ضروری ہے“-[24]

”قربانی کا چمڑا یا گوشت یا اس کی کوئی چیز قصاب یا ذبح کرنے والے کو دیت میں نہیں دے سکتا“-[25]

جانوروں کی عمریں:

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشار فرمایا:

”صرف مسنہ (ایک سال کی بکری، دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اونٹ) کی قربانی کرو، ہاں اگر تم کو دشوار ہو تو 6،7 ماہ کا مینڈھا ذبح کرو (جو سال کا معلوم ہوتا ہو)“-[26]

طریقۂ قربانی:

حضرت شداد بن اوس (رضی اللہ عنہ) سے مروی حدیث پاک ہے کہ آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

---

[19] (ایضاً)

[20] (ایضاً)

[21] (ایضاً)

[22] (در مختار، کتاب الاضحیہ)

[23] (ایضاً)

[24] (ایضاً)

[25] (ایضاً)

[26] (صحیح مسلم، کتاب الصید الذبائح)

"جب تم ذبح کرو تو احسن طریقہ سے ذبح کرو، تم میں سے کسی شخص کو چاہیے کہ وہ چھری کو (اچھی طرح) تیز کرلے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے"۔[27]

دودھ والے جانور کا ذبح کرنا:

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ:

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک انصاری کے پاس تشریف لے گئے- اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاطر بکری ذبح کرنے کے لئے چھری اٹھائی- رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا دودھ والی کو ذبح نہ کرنا"۔[28]

جمہورِ فقہا کا قول ہے کہ جو عورت اچھی طرح سے ذبح کر سکتی ہے، اسی طرح جو بچہ اچھے طریقے سے ذبح کر سکتا ہو اس کا ذبح کرنا بھی جائز ہے-[29]

خلاصۂ کلام:

قربانی کرنے والے صرف نیت کے اخلاص اور شروطِ تقویٰ کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہیں- دین اسلام میں نیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے- جیسا کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ارشاد فرماتے ہیں:

"اعمال کا دارومدار نیت پہ ہے ہر انسان کیلیے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے"۔[30]

یہ بات ہر مسلمان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر اس قول و فعل کو جو چیز چار چاند لگاتی ہے وہ اس کی نیت ہے- جیسا کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے"۔[31]

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مزید ارشاد فرمایا:

"جس نے نیکی کی نیت کا ارادہ کیا لیکن اس نے عمل نہ کیا تو اس کیلیے (اللہ پاک کی طرف سے) نیکی لکھ لی جائیگی"[32]

یہ سب سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) کا اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق اور اخلاص کا اعلیٰ مقام ہی تھا کہ اللہ پاک نے آپ (علیہ السلام) کی اعمال صالحہ کو رہتی دنیا تک قابل رشک بنا دیا اور بطور سنت جاری و ساری فرمادیا-

اس لیے فقہاء کرام نے قربانی کیلیے "قربت کی نیت" کی شرط لگائی ہے اگر کسی نے قربانی سے اللہ عزوجل کے قرب کی نیت نہ کی تو قربانی صحیح نہ ہو گی، نیت کی اہمیت و فضیلت بیان کرتے ہوئے سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے پنجابی کلام میں ارشاد فرمایا:

ج: جے رَبّ ناتیاں دھوتیاں مِلدا تاں مِلدا ڈڈواں مچھیاں ھو
جے رَبّ لمیاں والاں مِلدا تاں مِلدا بھیڈاں سسّیاں ھو
جے رَبّ راتیں جاگیاں مِلدا تاں مِلدا کال کڑچھیاں ھو
جے رَبّ جتیاں ستیاں مِلدا تاں مِلدا ڈانداں خصیاں ھو
انہاں گلاں رَبّ حاصل ناہیں باھوؒ رب مِلدا دِلیاں ہچھیاں ھو

صوفیاء کرام کی بارگاہِ اقدس سے ہی طالب کو قلب و نگاہ کی پاکیزگی نصیب ہوتی ہے- آج جب مادیت پرستی اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے، لوگ دنیاوی غرض کے بغیر سلام کرنا بھی وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں، رشتے ناتے پروان چڑھانے میں دنیاوی اغراض و مقاصد کو ترجیح دی جاتی اور اخلاص سے لبریز بولے جانے والے الفاظ محض رسمی کاروائی ہوتی ہے-

ان حالات میں مرشد کریم سلطان العارفین (رحمۃ اللہ علیہ) کے دربار پُر انوار و گوہر بار سے اخلاص و للّٰہیت اور انوار و تجلیات کے وہ چشمے پھوٹے، جس نے عرب و عجم کا امتیاز کیے بغیر ہر خاص و عام کو سیراب فرما کر ان کے قلوب و اذہان کو معطر فرمایا- آج اسی قافلے کی قیادت جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی (دامت برکاتہم العالیہ) فرما کر "اسم اللہ ذات" کے خزانے سے مالا مال فرما رہے ہیں- مالک پاک ہمیں قرآن و سنت کے مطابق اولیاء کاملین کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے-

☆☆☆

---

[27] (ایضاً)

[28] (ابن ماجہ، کتاب الذبائح)

[29] (نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، ج:11، ص:573)

[30] (بخاری شریف، باب: بدء الوحی)

[31] (شعب الایمان، باب: اخلاص العمل للہ عزوجل وترک الریاء)

[32] (ایضاً)

ذبیح اللہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام)

محمد ارشد

انسان کی جب عالم ارواح سے عالم فانی میں آمد ہوئی تو پھر ایک خاص عنایت ہوئی جو عہد و پیمان ارواح نے بارگاہِ ایزدی میں کیے ان کی یاد آوری کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ خاص اور محبوب بندے مقرر کیے جن کو نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز کیا۔ بعض یکے بعد دیگرے معبوث ہوئے اور بعض ایک ہی عہد میں مختلف علاقوں اور قوموں تک رشد و ہدایت کا پیغام پہنچاتے رہے۔

پیغام ایک ہی تھا "شرک کی نفی اور توحید کا اثبات" - انبیاء کرام (علیہم السلام) ہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں بہ نسبت مخلوق زیادہ قرب نصیب ہے۔ قرب قربانی سے آتا ہے اور دین بھی یہی تقاضا کرتا ہے۔ اگر رشد و ہدایت کے ان روشن میناروں کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کی زیست کے شب و روز قربانیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کسی کا جسم آرے سے کٹ جاتا ہے تو کوئی زندہ مچھلی کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ کسی کے وجود میں کیڑے آجاتے ہیں تو کسی کو کنویں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ سب صبر و استقلال کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسے مشیتِ الٰہی سمجھتے ہیں۔

انہی میں سے ایک ہستی آئی جسے اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ کا دوست۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست سے منفرد قربانیاں لیں مثلاً جان، مال اور اولاد۔ دوست کو دوست سے عشق اس درجے کا تھا کہ ذرا برابر بھی پایۂ استقلال میں لغزش تک نہ آئی۔ جان کی قربانی کی بات کی جائے تو آگ کا اتنا بڑا آلاؤ جو دور دور تک دکھائی دیتا ہے اس کو سینے سے لگا کر گلزار بنا دیا۔ مال کی قربانی دیکھی جائے تو ہزارہا بکریوں کے ریوڑ کو ایک بار یار کے نام سنانے کی اجرت پر وار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست سے اولاد کی قربانی جہان سے انوکھی لی۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی زندگی کے تقریباً آٹھ عشرے بیت گئے جب اولادِ نرینہ سے نوازا گیا یعنی حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی پیدائش ہوئی۔ کچھ ہی دن گزرے اشارہ ہوا، ماں بیٹے کو گھر سے دور چھوڑ دیا جائے مشیتِ ایزدی تھی لہٰذا عملداری ہوئی۔ اہلیہ اور بیٹے کو ساتھ لیا صفا و مروٰی کے قریب جنگل و بیاباں میں چھوڑ آئے۔

کھانے کو کچھ میسر نہ پینے کو کچھ دستیاب، بس یار کی رضا ہے سب کچھ کروائے جا رہی ہے۔ ماں بھوک سے نڈھال، بیٹا پیاس سے بلک رہا ہے، ہونٹ خشک ہوئے جا رہے ہیں۔ پانی کی تلاش میں کبھی صفا پر تو کبھی مروٰی پر تشریف لے جاتیں۔ اضطراب کی کیفیت ہے، تلاشِ آب میں اِدھر والدہ بھاگ رہی ہیں، اُدھر ننھے اسماعیل (علیہ السلام) ایڑھیاں رگڑ رہے ہیں، ننھی ایڑی کی رگڑ سے سنگلاخ زمیں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ بیٹے

کے قدموں کی رگڑ سے جو پانی نکلا وہ آبِ شفا اور زم زم ٹھہرا اور جہاں ماں کے مبارک قدم لگے ان چوٹیوں کو شعائر اللہ کا شرف نصیب ہوا۔

ادھر بیٹا (اسماعیل علیہ السلام) لڑکپن کی طرف سفر کر رہا ہے اُدھر باپ کو خواب آتا ہے اے میرے خلیل! اپنے دل کے قریب جو چیز ہے اسے میری راہ میں قربان کرو۔ حکم کی تعمیل کا سماں باندھا، ایک کے بعد دوسری قربانی کر رہے ہیں لیکن خواب ہے کہ تھم نہیں رہا۔ ایک ہی خواب کا تسلسل انہیں یہاں تک لے آیا کہ ماسوٰی فرزند ارجمند اسماعیل (علیہ السلام) دل کے قریب کچھ بھی نہیں۔ آپ کے دل نے گواہی دی جو آپ سوچ رہے ہیں اس کو عملی جامہ پہنائیں کہیں حکم کی بجا آوری میں دیر نہ ہو جائے۔ مصمم ارادہ فرمایا اور لختِ جگر کو طلب کیا، صورت حال سے آگاہ فرمایا تو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے سر تسلیم خم کیا۔ سامان کا بندوبست کیا اور باپ بیٹا قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شیطان لعین نے رکاوٹیں ڈالنے کے کئی جتن کیے۔ باری باری سب کے پاس گیا، ماں، باپ اور بیٹا لیکن ماسوٰی مایوسی اور ناکامی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اُدھر عاشقانِ الٰہی جب قربان گاہ پہنچے تو حضرت اسماعیلؑ نے عرض کی ابا حضور آنکھوں پہ پٹی باندھ لیں کہیں بیٹے کی محبت میں فرض سے کوتاہی نہ ہو جائے، باپ نے چھری کی دھار کو تیز کیا کہیں دیر نہ ہو جائے۔

حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نیچے لیٹتے ہیں اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) آنکھوں پہ پٹی باندھے گردن پہ چھری چلاتے ہیں۔ چھری ہے کہ چلنے کا نام نہیں لیتی، پریشانی بڑھنے لگی کہ کہیں یار ناراض تو نہیں ہو گیا آتے آتے دیر جو ہو گئی۔ دل میں یہ خیال آتا ہے تو اگلے لمحے چھری چل جاتی ہے۔ جب آنکھ سے پٹی کھولی بیٹا سلامت پاس کھڑا ہے اور جنتی دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے۔

اسی لمحے آواز آئی، قرآن کہتا ہے: اے پیارے خلیل! ”واقعی تم نے اپنا خواب (کیا خوب) سچّا کر دکھایا بے شک ہم محسنوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (سو تمہیں مقامِ خلّت سے نواز دیا گیا ہے)“۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے بیٹے کی جان لینا مقصد نہیں تھا بلکہ مقصد دُنیا والوں کو سبق دینا تھا کہ جب مالکِ حقیقی کا حکم آ جائے تو مال و متاع کی کیا حیثیت؟ اولاد کو بھی قربان کر دو۔ اس کی راہ میں قربانی دینے والوں کی اہمیت کو بزبانِ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) پڑھیے!

میں قُربان تنہاں توں باھُو جیہڑے سر قربانی کر دے ھُو

یہ وہ خلیل اللہ و ذبیح اللہ (علیہ السلام) کی قربانیاں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ رکھنے کے لیے ملت ابراہیم کے اعمال میں شامل کر دیا۔ شمولیت صلہ کے مترادف ہے۔ آج جب ہمارے سامنے بیت اللہ آتا ہے یا حج بیت اللہ کا ارادہ کرتے ہیں تو ان ہستیوں کی یاد بھی جزو لازم بن جاتی ہے۔ بیت اللہ کے معمار اعظم بھی آپ ہیں، حج کی ادائیگی کے کثیر اعمال ابراھیم و آلِ ابراھیم (علیہ السلام) کی سنت ہیں جو ادا نہ کیے جائیں تو سفر حج رائیگاں جاتا ہے۔

آپ کی قربانیاں امتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیلیے اپنے اندر کئی سبق سمیٹے ہوئے ہیں جو سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ مقصد حیات یعنی قربِ الٰہی وہ قربانی کے بغیر ممکن نہیں۔ دین قربانی مانگتا ہے اور قربان ہو جانے سے بقا نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں سب اسی ذات کا دیا ہے۔ جو رضا سمجھ کے جھک گیا وہ قرب کے اعلیٰ مقام پہ فائض ہو گیا۔ اقبال کے الفاظ پہ اختتام کرتے ہیں:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم نہایت اِس کی حُسینؓ، ابتدا ہے اسماعیلؑ

☆☆☆

غوث الاعظم سیدنا عبد القادر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا منہج اور عصرِ حاضر کے صوفیاء کے کردار کا تعیُّن

فکری خطاب: صاحبزادہ سُلطان احمد علی

سیکرٹری جنرل: اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین

خانوادۂ سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھُو قدس اللہ سرّہٗ

(میلادِ مُصطفےٰ (ﷺ) و حق باھو کانفرنس، جھنگ، 13 جنوری 2017ء)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا“[1]

”تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علیہ السلام) کو پا لیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے علمِ لدنی (یعنی اَسرار و معارف کا اِلہامی علم) سکھایا تھا“۔

آج جس موضوع پہ چند گزارشات پیش کرنا چاہوں گا عوام وخواص کیلئے گو کہ وہ نیا نہیں ہے- مزید یہ کہ اس کے جس خاص پہلو کی جانب آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہوں گا وہ پہلو اہل علم کے ہاں تو اجنبی نہیں ہو گا لیکن عامۃ الناس میں بہت کم لوگ اس سے واقف ہوں گے-

تمہید:

وہ موضوع بنیادی طور پہ اس نظریہ سے طلوع ہوا ہے کہ کہ آپ جسے جاننا چاہتے ہیں اُسے اُس کی تمام خوبیوں اور تمام صفات سے جاننے کی کوشش کریں- اگر آپ ایک پہلو سے جان لیں اور باقی پہلوؤں سے نظریں چُرا لیں، اس طرح نہ تو جاننے کا حق ادا ہو سکتا ہے نہ ہی اُس سے پوری طرح فیض یاب ہوا جا سکتا ہے- بلکہ اِس کے برعکس ہر پہلو سے نہ جاننا عملی و علمی طور پہ نقصان دِہ بھی ہو سکتا ہے- اس کی مثال ایمان سے بھی لی جا سکتی ہے کہ ایمان خوف اور اُمید کے درمیان میں ہے- اس سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے جلال و غضب کو مدِ نظر رکھنا چاہئے وہاں اُس کی رحمت و کریمی سے بھی توقع رکھنی چاہئے- فی زمانہ اہلِ تصوف کے ہاں جو علمی و عملی کمزوریاں واقع ہوئی ہیں وہ کچھ اسی طرح کے رویوں کا نتیجہ ہیں کہ لوگ جنہیں محبت کرتے ہیں یا جن سے عقیدت رکھتے ہیں اُن سے اِسی بات کو ہی کافی سمجھ لیتے ہیں کہ ”ہم ان کے نام لیوا و اہلِ ارادت ہیں“- جبکہ اُن کے فکر و عمل کے دیگر پہلوؤں سے نظریں چرا لیتے ہیں- اِس رویے کی کوکھ سے ہی نام نہاد صوفیوں کی بے عملی و بے علمی اور جعلی پیروں فقیروں نے جنم لیا ہے-

اس موضوع پہ براہ راست اپنی گفتگو سے قبل ایک نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں عجم میں خاص کر ہند میں جو تصوف پچھلے کم از کم ڈیڑھ دو صدیوں میں دکھایا جارہا ہے جس پہ اس ملک کی اکثریت کے جذبات و احساسات اور عقیدت وابستہ ہے؛ اس کی بنیادوں کا کھوج لگانے کی ضرورت ہے، اُس کی اصل ڈھونڈنے کی ضرورت ہے اور از سر نو یہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ روحانی فکر یا جس کو ہم اولیاء اللہ کا علمی و عملی طریق کہتے ہیں وہ بنیادی طور پر کیا ہے؟ اس کے بنیادی ماخذ کیا ہیں؟ اور اس کے بانی مبانی شخصیات کی بنیادی و علمی دعوت کس جانب تھی؟

سوادِ اعظم اور تصوف:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں فقہی و فکری اعتبار سے کئی مکاتبِ فِکر ہیں، لیکن اُمّتِ اِسلامی کا سوادِ اعظم اہل السنہ کو قرار دیا گیا ہے جن کو شَرق تا غَرب پوری اُمت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ نے اکثریت کا قبول عطا فرمایا ہے- اہلسنت میں فقہی اعتبار سے چار مذاہب ہیں-(۱) سیدنا امام ابو حنیفہ بن نعمان، (۲) سیدنا امام مالک ابن انس، (۳) سیدنا امام محمد بن ادریس الشافعی، (۴) سیدنا امام احمد ابن حنبل (رحمۃ اللہ علیہم)- فکریات میں سیدنا امام ابو منصور ماتریدی، سیدنا امام ابو الحسن اشعری آئمہ ٔفکر و عقیدہ مانے جاتے ہیں - ان کے بعد آنے والے آئمہ ٔدین، فقہ و فکر میں اِن کے طریق کو قبول کرنے والے ہیں- ان معروف طبقاتِ فقہ و فکر میں وہ ایک طبقہ جس کو قبول عام میسر آیا وہ اہلِ روحانیت و اہلِ ولایت

[1] (الکھف:65)

ہیں - یعنی اس طبقہ کی شخصیات، ان کے معاملات، مشاہدات و مجاہدات، مکاشفات و ریاضات کو درج بالا آئمہ کرام کے پیروکاروں نے اختیار کیا اور اُن کی تصدیق و تائید کی- فقہی و فکری منہج میں اصولیین کے اختلافات کے باوجود جس چیز پہ سبھی متفق رہے اور اصولِ مشترک کے طور پہ جس سے استفادہ کرتے رہے وہ علمِ باطن و راہِ طریقت ہے - گویا جو امتِ اسلامی کا سوادِ اعظم کہلاتا ہے وہ اُس فکر کے داعی ہیں جن کا طریق طریقِ رُوحانی ہے-

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ):

مزید بر آں! ان تمام اہل تصوف و طریقت میں جو عظیم شخصیت ہیں جن سے بکثرت سلاسلِ تصوف نے اکتساب کیا وہ سیدی مرشدی محی الدین پیرانِ پیر شیخ عبد القادر الجیلانی البغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت ہے - جن سے ہماری نسبت و عقیدت میں جس قدر پختگی و وارفتگی پائی جاتی ہے وہ ہماری سوچ سے بھی بالاتر ہے- مشائخ فقر و ولایت میں جس قدر اسماؤ القاب آپ کو مِلے ہیں وہ آپ کی عظمت و اعترافِ عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں - مثلاً: غوث الاعظم، غوث الثقلین، قطبِ ربانی، شاہبازِ لامکانی، باز اللہ الاشہب، میراں، محی الدین، دستگیر، سرِّ سُبحانی، شیخ الشیوخ، پیرانِ پیر، نجیب الطرفین، کریم الابوین، ابو صالح، سیّد الاولیاً- اِن کے علاوہ بھی کثیر ہیں- آپ کو دو شہروں کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے، مگر زیادہ تر آپ کے آبائی علاقہ کی نسبت سے، جو موجودہ ایران میں واقع ہے "گیلان" - اسی نسبت سے آپ گیلانی کہلاتے ہیں، "گ" کو عربی میں "ج" پڑھتے ہیں تو الجیلانی بھی کہتے ہیں - علمائے متوسطین مثلاً امام ذہبیؒ وغیر ہم نے "الجیلی" بھی لکھا ہے- (شیخ ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) کے معروف شاگرد شیخ عبد الکریم الجیلی (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کے نواسے تھے اِسی نسبت سے اُنہیں الجیلی کہا جاتا ہے)- آپؒ کے شہر قیام و وفات کی وجہ سے آپؒ کو "بغدادی" بھی کہا جاتا ہے، پاک و ہند میں لوگ عموماً آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی نسبت سے ہی بغدادی کہلاتے ہیں-

سلسلہ عالیہ قادریہ:

طریقہ قادریہ وہ واحد طریق ہے جو حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) سے منسوب ہے- قادریہ ایسا طریقہ ہے جس کو عرب، افریقہ، ہند، مشرقِ بعید، وسط ایشیاً، ایشیائے کوچک، یورپ اور جہاں جہاں بھی اسلام کی ترویج ہوئی وہاں سب سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا- پاک و ہند میں بھی بکثرت طریقِ قادریہ کی خانقاہیں اور شیوخ موجود ہیں- حتی کہ دیگر سلاسل کے جلیل القدر شیوخ بھی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں-

تعلیماتِ غوثیہ اور عصری تقاضے:

اِس میں کوئی شک نہیں کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کہی جا سکتی ہے- اگر آپ کے باطنی کمالات کو دیکھا جائے تو وہ آپ کے ایک ایک لقب کی تحقیق سے عیاں و نمایاں ہوتے ہیں، اگر آپ کی ظاہری جہود و جہات کو دیکھا جائے تو آپ کے حضور زانوئے تلمذتہ کرنے والوں میں کثیر نابغہ ہائے روزگار نظر آتے ہیں-

فی زمانہ بالخصوص پاک و ہند میں ایک بڑا مسئلہ درپیش ہے کہ مشائخ و علماء نے سیدی غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذاتِ گرامی کا صرف ایک پہلو نمایاں کیا ہے جس سے لوگ استفادہ کرتے ہیں- مگر دوسرے پہلو کے پیش کرنے میں سستی و تساہل بلکہ عدمِ توجہ سے کام لیا گیا ہے- یعنی لوگوں کو اِس سے تو متعارف کروایا گیا ہے کہ غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کو اللہ نے یہ قدرتیں بخشی ہیں کہ آپ کو پکارنے والے کی مدد کی جاتی ہے، آپ کا منصبِ غوثیت و دستگیری تو بیان کیا گیا ہے- الحمد للہ، ہمیں اس پہ یقین نصیب ہے- لیکن اِس کے علاوہ بھی سیدی غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کا ایسا فیضان ہے جسے جاننا اور جس پہ عمل پیرا ہونا آپ کے ارادتمند کی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے، جو آپ سے عقیدت رکھنے کے فیوض سے ایک عظیم فیض ہے- آج کا موضوع آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت کے اُس گوشے سے خوشبو کے چند جھونکے سمیٹتا ہے-

مدارسِ اہلسنت اور نسبتِ غوثیہ:

پاک و ہند میں اہلسنت کے بڑے بڑے علمی مراکز و مدارس ہیں (الحمد للہ)، اگر اُن کے ناموں پہ غور کیا جائے تو بکثرت ایسے مدارس نظر آتے ہیں جو "نسبتِ غوثیہ" سے منسوب ہیں - یہ روش ایک عظیم حکمت کے طور پہ ہمارے اکابر سے چلی آرہی ہے - اب یہاں ایک قابلِ غور نکتہ ہے، وہ یہ کہ؛ کسی خانقاہ یا درگاہ کا نسبتِ غوثیہ سے منسوب ہونا اس بات کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ یہ سیدنا غوثِ پاک (رحمۃ اللہ علیہ) سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں یا قادری ہیں- مدرسہ یعنی درس گاہ کیلئے لازمی نہیں کہ خانقاہ کی حیثیت بھی

رکھتا ہو لیکن یہ لازم ہے کہ وہ مرکزِ علمی ہے جہاں معقولات و منقولات پڑھائے جاتے ہیں- ایسے کسی علمی مرکز کو نسبتِ غوثیہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے منسوب کرنے کا مطلب ہے کہ ہم نہ صرف آپ کے فیضِ روحانی سے اکتساب کرتے ہیں بلکہ آپ کے فیضِ علمی سے سیر اب ہونے کے بھی متمنی و امیدوار ہیں-

لیکن! نسبتِ غوثیہ سے منسلک ان مدارس سے نو برس تعلیم مکمل کر کے آنے والے طلبائے کرام سے پوچھا جائے کہ 9 برس کے اس طویل عرصہ میں غوثِ پاکؒ کی کتنی کتب بطور سبق کے پڑھائی گئی ہیں؟ تو جواب جان کر انسان حیرت زَدہ رِہ جائے گا کیونکہ جس کی نسبت سے منسوب ہونا فخر سمجھا جائے مگر اُن کی تصنیفات وکتب سے فیض نہ بانٹا جائے واقعتاً مقام حیرت ہونا چاہئے-

افسوس! کہ سیدی غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی کوئی ایک کتاب بھی ہمارے درسی نصاب کا حصہ نہیں ہے- حتیٰ کہ خانقاہوں پہ بھی جو مدارس قائم ہیں ان میں بھی ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا- کاش کہ گیارہویں کی کھیر اور حلوے تناول فرمانے والے خطباؑ و واعظین حضرت غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی تصنیفات وکتب کا درس دیتے- سر الاسرار، فتوح الغیب اور الفتح الربانی اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کا درس دیا جائے- اِن کتب سے اکابر علما بہت استفادہ کرتے تھے- فتوح الغیب تو بہت ہی لاجواب وبے نظیر کتاب ہے، شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کی شرح لکھی- حتیٰ کہ تصوف کے ناقد ابو العباس شیخ ابن تیمیہ نے اِس کی شرح لکھی، شیخ ابن تیمیہ کی شرح فتوح الغیب کچھ برس قبل مہتر ہالینڈ کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ فلوریڈا (امریکہ) سے شائع کی گئی ہے- موجودہ دُنیائے عرب میں وہ شافعی و حنبلی علماء جو فکری طور پہ سلفی تحریک کے پیرَوْ ہیں اُن کے ہاں آج بھی آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا نام نہایت احترام سے لیا جاتا ہے، اِس لئے کہ آپؒ شوافع وحنابلہ کے بڑے بڑے آئمہ وفقہا کے شیخ واُستاد تھے- عرب کے کئی ایک سلفی علماء کے خطابات اگر سُنیں تو کئی مقامات پہ وہ اپنے خطبوں میں ”قالَ شیخ عبد القادر“ کہہ کے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا حوالہ دیتے ہیں- کہنے کا مقصد ہے کہ نہ صرف دُنیائے ولایت و تصوف میں بلکہ دنیائے علم و فکر میں بھی آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت مُسلّمہ ہے، لہٰذا جہاں حضرت غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کی کرامات و کمالاتِ باطنیّہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں آپ کے کمالاتِ علمی بھی بیان ہونے چاہئیں تاکہ آپ کے ارادت مندوں اور عقیدت مندوں میں اپنے شیخ کا منہج و طریق واضح ہو، اور وہ اپنے شیخ کے اذواق واشواق و معمولات پہ عُمر بتائیں-

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذاتِ مقدسہ سے خوارق و کرامات کا ظہور بکثرت ہوا ہے اس پہ تصوف و صوفیاً کے بہت بڑے ناقد ابو العباس شیخ ابن تیمیہ کا حوالہ موجود ہے کہ ”شیخ عبد القادر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کرامات کی اتنے طرق کے علماء نے تصدیق کی ہے کہ ہر ولی کی کرامت کا انکار کیا جاسکتا ہے لیکن شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کرامات کا انکار نہیں کیا جاسکتا“- ان کی شانِ اقدس کا یہ پہلو بلا شک وشبہ ضرور ہے لیکن آپؒ کی شخصیت کا ایک بنیادی پہلو آپؒ کے علم کی عظمت وشان کا بھی ہے جس کو فی زمانہ بہت کم علماء کرام بیان کرتے ہیں-

اگر ہم واقعتاً اپنے آپ کو سلسلۂ قادریہ سے منسلک کرتے ہیں تو ہمارے لئے لازم ٹھہرتا ہے کہ جہاں ہم آپؒ کے چشمۂ روحانیت سے اپنی پیاس کو بجھاتے ہیں وہاں ہم پر یہ بھی لازم ہے کہ دینِ مُبین کے جس علم کی محافظت و آبیاری غوث پاکؒ نے کی ہے اس علم کے چشمے سے بھی اپنے آپ کو سیر اب کریں-

غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی والدہ ماجدہ کا جذبۂ علمی:

عظیم محدث، حافظ حدیث اور شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانیؒ ”غبطۃ الناظر فی ترجمۃ شیخ عبد القادر“ جو کہ سیدنا غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کے مناقب پہ تصنیف ہے؛ میں فرماتے ہیں کہ:

”سیدنا غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں بغداد مسلمانوں کا علمی وتعلیمی مرکز ہوا کرتا تھا- آپؒ کی یہ خواہش پیدا ہوئی اپنی والدہ ماجدہ کی تلقین سے کہ آپؒ تحصیل علم کیلئے بغداد تشریف لے کر جائیں- کیونکہ آپؒ کی والدہ ماجدہ اور خود آپؒ کو اتنا شوق و ذوق تھا میں تحصیل علم حاصل کروں- جب آپؒ کی والدہ ماجدہ نے آپؒ کو تحصیل علم کیلئے رخصت کیا تو فرمایا: اے عبد القادر جاؤ اللہ کے دین کا علم حاصل کرو اس کے عطا کئے ہوئے علوم کے ذریعے اس کی دین کی خدمت کرو یہاں تک کہ مجھے بھی بھول جاؤ“-

امام عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) مزید لکھتے ہیں کہ پھر سیدنا غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ) اپنی والدہ محترمہ کے خط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

"كَانَتْ أُمِّيْ تَشْتَاقُ اِلَيَّ فَتَكْتُبُ اِلَيَّ الْكُتُبَ بِذِكْرِ شَوْقِهَا اِلَيَّ فَاَكْتُبُ اِلَيْهَا اِنْ شِئْتِ تَرَكْتُ وَ جِئْتُ اِلَيْكِ، فَتَنْفُذُ اِلَيَّ: لَا تَجِيْءُ وَاشْتَغِلْ بِالْعِلْمِ"

"میری والدہ میری انتہائی مشتاق ہوتیں تھی تو مجھے خط لکھتیں میں آپ کو لکھتا کہ اگر آپ چاہیں تو میں یہ چھوڑ کر آپ کی طرف آجاتا ہوں۔ آپ مجھے جواباً لکھتیں کہ (میرے پاس) نہ آؤ اور تعلیم حاصل کرتے رہو"۔[2]

یعنی روزِ قیامت اس فخر کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتی ہوں کہ میرے مولیٰ! جو لعل (بیٹا) تو نے مجھے عطا کیا تھا وہ میں نے اپنے لئے سنبھال کر نہیں رکھا بلکہ تیرے دین کی خدمت اور علمِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اندازہ لگایئے کہ سیدنا غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کی والدہ ماجدہ کی کس قدر آرزو و تمنا تھی کہ ان کا لختِ جگر اللہ کے دین کی علم کے ذریعے خدمت کرے۔

تحصیلِ علم:

غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے بغداد کے عظیم شیوخ سے علمِ تفسیر، علمِ فقہ اور علمِ حدیث میں عبور حاصل کیا۔ حیرانی اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں "قولِ شیخ حجت نیست" میں سیدنا غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) جیسی شخصیت کو بھی ایک طرف دھکیل دیا جاتا ہے کہ وہ صوفی ہیں۔ لیکن آپ ان کا علم دیکھیں کہ انہوں نے علم کو کس طریق سے اور کن مشائخ عظام سے اپنے وجود میں جاری و ساری فرمایا تھا۔

علمِ حدیث کے عظیم مشائخ:

"ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی، ابو ابکر احمد بن المظفر، ابو القاسم علی بن بیان الرزاز، ابو سعد محمد بن خُشیش، ابو محمد جعفر بن احمد السراج (رحمۃ اللہ علیہم) (مصارع العشاق کے مصنف)"۔

علمِ فقہ کے عظیم شیوخ:

"ابو الوفاء علی بن عقیل (بغداد میں حنبلیوں کے شیخ تھے)، القاضی ابو سعد المبارک بن علی المُخَرِّمی (جن سے آپ نے دست بیعت بھی حاصل کی)، ابو الحسن محمد بن القاضی ابو یعلی الحنبلی، ابو الخطاب محفوظ بن احمد الکلوذانی الحنبلی (رحمۃ اللہ علیہم)"۔

ادب، علم البیان اور بلاغت کے عظیم مشائخ:

ادب، علم البیان اور بلاغت میں آپؒ نے ابو زکریا یحیٰ التبریزی (رحمۃ اللہ علیہ) سے اکتسابِ علم فرمایا۔

علمِ تصوف کے عظیم مشائخ:

"ابو محمد جعفر بن احمد سراج، شیخ حماد بن مسلم الدباس، قاضی ابو سعد (یا ابو سعید) المخرمی (رحمۃ اللہ علیہم) (آپ سے خرقہ خلافت بھی لیا، فقہ کی سند بھی لی اور آپ کے مدرسہ کو ہی آگے چلایا)"۔

"غبطۃ الناظر" میں امام ابن حجر العسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے، "سیر اعلام النبلاء" میں امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے، "بہجۃ الاسرار" میں علامہ محمد یحیٰ التاذفی (رحمۃ اللہ علیہ) نے، "زبدۃ الاسرار" میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے، اور متعدد سیرت نگاروں نے آپؒ کے متعلق لکھا ہے کہ:

"جب آپ اپنی والدہ کے حکم سے پڑھنے کے لئے آئے تو تیس برس تک آپؒ بغداد کے مختلف شیوخ سے علمِ فقہ، علمِ حدیث، علمِ تفسیر اور علمِ تصوف علم حاصل کرتے رہے"۔

پھر آپؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جھجھک تھی کہ مَیں عجم کے اس قصبہ گیلان سے گیا ہوں، جہاں کے لوگوں کی زبان فارسی ہے۔ گو کہ مَیں عربی کو جانتا ہوں لیکن علماءِ عرب کی فصاحت و بلاغت کے سامنے میں کس طرح سے خطاب کروں۔

اوپر جو شیوخ اور علم کی بات ہوئی وہ علومِ ظاہری کے متعلق تھی۔ اب جو گفتگو ہونے جارہی ہے کہ وہ اس ضمن میں ہے کہ آپؒ نے کن شیوخ سے بطریق باطن علم کو حاصل کیا۔

قاضی ثناؤ اللہ پانی پتی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "تفسیر مظہری" اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "زبدۃ الاسرار" میں رقم کیا ہے کہ:

"مشائخ نے سیّدنا شیخ عبد القادر الجیلانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ؛

"رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فَقَالَ لِيْ يَا بُنَيَّ لِمَ لَا تَتَكَلَّمُ فَقُلْتُ يَا اَبَتَاهُ اَنَا رَجُلٌ اَعْجَمِيٌّ كَيْفَ اَتَكَلَّمُ عَلٰى فُصَحَاءِ بَغْدَادَ فَقَالَ افْتَحْ فَاكَ فَفَتَحْتُ فَتَفَلَ فِيْهِ سَبْعًا وَ قَالَ لِيْ تَكَلَّمْ عَلَى النَّاسِ وَادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ فَصَلَّيْتُ الظُّهْرَ وَ جَلَسْتُ وَ حَضَرَنِيْ خَلْقٌ كَثِيْرٌ فَارْتَجَّ عَلَيَّ فَرَاَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَائِمًا بِاِزَائِيْ فَقَالَ لِيْ اِفْتَحْ فَاكَ فَفَتَحْتُهُ فَتَفَلَ فِيْهِ سِتًّا فَقُلْتُ لَهُ لِمَ لَمْ تُكْمِلْهَا سَبْعًا قَالَ اَدَبًا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ثُمَّ تَوَارٰى عَنِّيْ"

[2] (غبطۃ الناظر فی ترجمۃ شیخ عبد القادر)

"میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو دیکھا کہ آپ نے مجھے فرمایا کہ اے میرے بیٹے تم کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کی نانا حضور میں ایک عجمی ہوں پس بغداد کے فصیح لوگوں سے کیسے کلام کروں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اپنا منہ کھولو- میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ نے اس میں سات مرتبہ اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا کہ لوگوں کو وعظ کرو اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف حکمت اور وعظِ حسنہ سے بلاؤ- پس میں نے ظہر کی نماز ادا کی اور بیٹھ گیا- میرے سامنے بہت ساری مخلوق حاضر تھی کہ مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی- پس میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنے سامنے کھڑا ہوا دیکھا- انہوں نے فرمایا کہ اپنا منہ کھولو- پس میں نے اپنا منہ کھولا تو انہوں نے اس میں چھ مرتبہ اپنا لعابِ دہن ڈالا- میں نے عرض کی کہ سات مرتبہ مکمل کیوں نہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ادبِ رسول (ﷺ) کی وجہ سے پھر آپ مجھ سے غائب ہو گئے"-

اور میں نے کہا:

"غَوَّاصُ الْفِكْرِ يَغُوصُ فِيْ بَحْرِ الْقَلْبِ عَلٰى دُرَرِ الْمَعَارِفِ، فَيَسْتَخْرِجُهَا اِلٰى سَاحِلِ الصَّدْرِ، فَيُنَادِيْ عَلَيْهَا سِمْسَارُ تَرْجُمَانِ اللِّسَانِ، فَتَشْتَرِيْ بِنَفَائِسِ اَثْمَانِ حُسْنِ الطَّاعَةِ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللهُ اَنْ تُرْفَعَ"

"فکر کا غوطہ خور دِل کے سمندر میں معرفت کے موتیوں پر غوطہ زن ہوتا ہے، پس وہ انہیں نکال کر سینہ کے ساحل پر لاتا ہے، پھر ان پر زبان کے ماہر ترجمان کو بلاتا ہے، پھر وہ زبان عمدہ قیمتوں کے بدلے حُسنِ اطاعت کو ایسے گھروں (مسجدوں) میں خریدتی ہے جن کو بلند کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دے رکھی ہے"-

سب نے کہا کہ یہ وہ پہلا کلام ہے جو شیخ عبد القادر (رضی اللہ عنہ) نے کرسی پر تشریف رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا"-

یعنی پہلے علم باطن آقا کریم (ﷺ) سے عطا ہوا پھر حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے عطا ہوا- اسی طرح پھر آپؒ بطریق باطنی تیسرا مقام بیان کرتے ہیں جس کو "غبطۃ الناظر فی ترجمۃ شیخ عبد القادر" میں ابن حجر العسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے، "زبدۃ الاسرار" میں شیخ محقق عبد الحق محدث دہلویؒ نے اور حضور غوث پاکؒ کے دیگر سیرت نگاروں نے اس واقعہ کو درج کیا ہے- وہ فرماتے ہیں کہ:

"الشیخ القدوہ ابو الحسن علی بن الہیتی نے یہ کہتے ہوئے خبر دی کہ:

"زُرْتُ مَعَ سَیِّدِی الشَّیْخِ مُحْیِ الدِّیْنِ عَبْدِ الْقَادِرِ وَ الشَّیْخِ بَقَا بْنِ بُطُو قَبْرَ الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ فَشَهِدْتُهٗ خَرَجَ مِنْ قَبْرِهٖ وَ ضَمَّ الشَّیْخَ عَبْدَ الْقَادِرِ اِلٰی صَدْرِهٖ وَ اَلْبَسَهٗ خِلْعَةً وَّ قَالَ یَا شَیْخُ ، عَبْدَ الْقَادِرِ قَدِ افْتَقَرُوْا اِلَیْكَ فِیْ عِلْمِ الشَّرِیْعَةِ وَعِلْمِ الطَّرِیْقَةِ وَعِلْمِ الْحَالِ وَفِعْلِ الْحَالِ-

"میں نے سیّدی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی اور شیخ بقا بن بُطو کے ہمراہ امام احمد بن حنبل کے مزار کی زیارت کی- رضی اللہ عنہم اجمعین- میں نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی قبر سے باہر تشریف لائے اور شیخ عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) کو اپنے سینے سے لگایا- آپ کو خلعت پہنائی اور فرمایا: 'اے شیخ عبد القادر! مخلوقِ خدا علم شریعت، علم طریقت، علم حال اور عمل حال میں تمہارے محتاج ہیں"-

وعظ و تدریس:

علامہ ابن جوزی "المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم" میں بیان کرتے ہیں کہ:

"آپؒ کے شیخ ابو سعید المخرمی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "باب الازج" پر ایک عمدہ مدرسہ قائم کیا اور آپ کے سپرد کر دیا-

"فَتَكَلَّمَ عَلَى النَّاسِ بِلِسَانِ الْوَعْظِ، وَظَهَرَ لَهُ صِيتٌ بِالزُّهْدِ، وَ كَانَ لَهُ سَمْتٌ وَ صَمْتٌ، وَ ضَاقَتِ الْمَدْرَسَةُ بِالنَّاسِ، فَكَانَ يَجْلِسُ عِنْدَ سُوْرِ بَغْدَادَ مُسْتَنِداً إِلَى الرِّبَاطِ، وَ يَتُوبُ عِنْدَهُ فِي الْمَجْلِسِ خَلْقٌ كَثِيْرٌ، فَعُمِّرَتِ الْمَدْرَسَةُ، وَ وُسِّعَتْ، وَ تَعَصَّبَ فِيْ ذٰلِكَ الْعَوَامُّ، وَأَقَامَ فِيهَا يُدَرِّسُ وَيَعِظُ إِلَى أَنْ تُوُفِّيَ"

"آپ نے لوگوں کو وعظ فرمایا، آپ کے زہد کی شہرت پھیل گئی- آپ کی صورت و ہیئت لوگوں پر خاموشی طاری کر دیتی اور یہ مدرسہ لوگوں سے تنگ پڑ گیا، لوگ آپ کی خانقاہ کے ساتھ متصل بغداد کی دیواروں پر چڑھ کر بیٹھا کرتے تھے- آپ کی مجلس میں مخلوق کی بڑی تعداد تائب ہوتی تھی پھر مدرسہ کو وسیع کر کے تعمیر کیا گیا، لوگوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا- آپ نے اس میں اپنی وفات تک تدریس و وعظ فرمایا"-

امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں آپ کے شیخ ابو سعید المخرمی (رحمۃ اللہ علیہ) کی تاریخ وفات 513ھ لکھی ہے- لیکن انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مدرسہ وعظ و تدریس کے لئے سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی کے سپرد کر دیا تھا- جبکہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا تاریخ وصال 561ھ ہے- گویا کم و بیش 48 برس تک غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) اس مدرسہ میں تدریس و تلقین اور علوم دین کو جاری فرماتے رہے- اس لئے جہاں آپؒ کی تعلیمات اور روحانی کمالات کا ذکر ہوتا ہے وہاں آپؒ کے وجود سے پھوٹنے والی

برکت جو 48 برس تک علم کے متلاشیوں کو سیر اب کرتی رہی اس کا ذکر بھی ہونا چاہیے۔

آپؒ کی ذاتِ اقدس سے منسوب لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا فیض محض روحانی صورت میں ہی موجود نہیں بلکہ علومِ حدیث، علومِ تفسیر، علوم فقہ میں بھی جاری ہے۔ بطور آپؒ کے مرید و عقیدت مند ہونے کے ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ جہاں ہم آپ کی ذات اقدس سے اکتساب روحانی کرتے ہیں وہی ہمیں اپنی نسلوں کو آپؒ کی سنت کے مطابق علم دین کیلئے بھی وقف کرنا چاہیے۔

اندازہ لگائیں! آپؒ کے مدرسہ سے سالانہ تین ہزار طلباء دستارِ فضیلت حاصل کرتے تھے اور آپؒ نے ان 48 برسوں میں ایک لاکھ سوالاکھ سے زائد علماء کو فارغ التحصیل کیا۔ اور آپ کے شاگردوں میں کوئی معمولی حیثیت کے علماء نہیں تھے بلکہ آپ کے تلامذہ کے علمی کمالات کو بیان کیا جائے تو کئی دنوں کی نشستیں بھی کم پڑیں۔

جس طرح ہمارے ہاں روایت معدوم ہو گئی ہے کہ مفتیانِ کرام میں ''مفتی اعظم'' ایک ٹائیٹل ہوتا تھا اسی طرح آپؒ کے شاگرد ابو الفتح نصر بن المنٰی (رحمۃ اللہ علیہ) آپؒ کے وصال کے بعد اپنے عہد میں حنابلہ کے شیخ قرار پائے۔ مزید آپؒ کے تلامذہ میں سے چند قابل ذکر ہیں جن میں احمد بن ابو بکر بن مبارک، ابو سعید الحریمی، حسن بن مسلم (قادسیہ میں ان کی خانقاہ ہے)، محمود بن عثمان بن مکارم النعال، عمر بن مسعود البزاز، عبد اللہ الجبائی (لبنان)، حامد بن محمود الحرانی، شیخ ابو العباس ابن تیمیہ، موفق الدین ابن قدامہ المقدسی، حافظ عبد الغنی المقدسی (رحمۃ اللہ علیہم) شامل ہیں۔

آپ کی تدریس کے ساتھ ساتھ وعظ کی بہت عظیم مجالس منعقد ہوتیں، جن میں اطراف و اکناف سے ہی نہیں بلکہ پورے بلادِ اسلامیہ سے لوگ آتے، حتیٰ کہ اندلس و ہند سے لوگ آپ کی مجالس میں شرکت کرتے۔ اُس زمانے کے عظیم المرتبت شیوخ، زُہّاد و اولیاء، اتقیا و صوفیاء، علماء، فقہاء، فصحاء و بلغا، شُرفاء و نُجباء، آئمہ فتاوی، بادشاہ وقت آپؒ کی خدمت میں آکر بیٹھتے۔ امام احمد کبیر الرفاعی (رحمۃ اللہ علیہ) بانئ سلسلہ رفاعیہ، سیدنا شہاب الدین سہروردی (رحمۃ اللہ علیہ) جنہوں نے سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد رکھی، عباسیوں کا خلیفہ وقت المستنجد باللہ اور امام السمعانی (رحمۃ اللہ علیہ) جیسے جید شیوخ قابلِ ذکر ہیں۔

علوم القرآن:

امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) ''سیر اعلام النبلاء'' میں امام السمعانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا واقعہ رقم کرتے ہیں کہ آپؒ نے فرمایا:

''كَانَ عَبْدُ الْقَادِرِ مِنْ أَهْلِ جِيْلَانَ إِمَامَ الْحَنَابِلَةِ، وَشَيْخَهُمْ فِيْ عَصْرِهِ، فَقِيْهٌ صَالِحٌ دَيِّنٌ خَيِّرٌ، كَثِيْرُ الذِّكْرِ، دَائِمُ الْفِكْرِ، سَرِيْعُ الدَّمْعَةِ، تَفَقَّهَ عَلَى الْمُخَرِّمِيِّ وَصَحِبَ الشَّيْخَ حَمَّاداً الدَّبَّاسَ مَضَيْنَا لِزِيَارَتِهِ، فَخَرَجَ وَ قَعَدَ بَيْنَ أَصْحَابِهِ وَ خَتَمُوا الْقُرْآنَ، فَأَلْقَى دَرْساً مَا فَهِمْتُ مِنْهُ شَيْئاً وَأَعْجَبُ مِنْ ذَا أَنَّ أَصْحَابَهُ قَامُوْا وَأَعَادُوا الدَّرْسَ، فَلَعَلَّهُمْ فَهِمُوا الْفَهْمَ بِكَلَامِهِ وَعِبَارَتِهِ''

''شیخ عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) اہل جیلان میں سے تھے اور حنابلہ کے امام اور اپنے زمانے میں ان کے شیخ (یعنی شیخ الحنابلہ) تھے، وہ ایک فقیہ، صالح، دیندار، بھلائی والے، کثرت سے ذکر کرنے والے، ہمیشہ فکر کرنے والے اور بہت زیادہ نرم دل تھے۔ حضرت شیخ المخرمی سے فقہ حاصل کی، شیخ حماد الدباس کی صحبت میں رہے۔ ہم بھی آپ کی زیارت کیلئے گئے، آپ تشریف لائے اور اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما ہو گئے۔ انہوں نے قرآن پاک کا ختم پڑھا پھر آپ نے ایک درس دیا جس کی مجھے کچھ سمجھ نہ آئی اور اس سے بھی حیران کن یہ بات تھی کہ آپ کے ایک ساتھی کھڑے ہوئے اور انہوں نے (حضرت غوثِ پاک کے دیئے ہوئے) درس کو دہرا دیا۔ شاید انہوں نے آپ کے کلام اور عبارت کو مکمل طور پر سمجھ لیا تھا''۔

یعنی امام سمعانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ اس درس میں اتنی علمی وسعت و عمیقیت تھی کہ میں اُن نکات کو نہ سمجھ سکا کہ آپ علم کے کن نکات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ لیکن آپ کے تلامذہ میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر اسی خطبے کو بالفاظ دیگر آسان لفظوں میں بیان کیا۔ مزید مجھے تعجب ہوا کہ آپؒ کے تلامذہ کو اتنی علمی رفعت نصیب ہے کہ وہ مجھ جیسے عالم جس نے قرآن و حدیث کی تدریس میں اپنی عمر بیتا دی، سے بڑھ کر آپ کے کلام اور خطبے کو جانتے ہیں۔

اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نہ صرف غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کو بلکہ آپ کے صحبت نشینوں کو قرآن کے نکات

و لطائف اور اسرار و رموز پہ کس قدر دسترس اور مہارت حاصل تھی۔

امام عبد الوہاب الشعرانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "طبقات الکبریٰ" میں، امام ابن حجر العسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "غبطۃ الناظر" میں، شیخ عبد الحق محدیث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "زبدۃ الاسرار" میں فرمایا کہ:

"ایک دفعہ آپ اپنے مدرسہ میں قرآن پاک کی تفسیر کا درس ارشاد فرما رہے تھے۔ امام عبد الرحیم الازجی اور امام ابن جوزی بھی تشریف فرما تھے۔ آپ نے ایک آیت کریمہ کی توجیہ بیان فرمائی تو امام ازجی نے فرمایا کہ میں اس سے واقف ہوں۔ پھر آپؒ نے دوسری توجیہ بیان فرمائی تو امام ازجی نے پھر فرمایا کہ میں اس سے واقف ہوں پھر آپؒ نے اسی آیت کریمہ کی بارہویں توجیہ بیان کی تو اس پر بھی امام ازجی نے فرمایا کہ میں اس سے واقف ہوں۔ پھر آپؒ نے اسی آیت کریمہ کی تیرہویں توجیہ بیان کی تو امام ازجی نے فرمایا کہ میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ پھر آپ نے اسی آیت مبارکہ کی پندرھویں توجیہ، پھر پچیسویں توجیہ، پھر انتالیسویں توجیہ بیان فرمائی تو امام ازجی نے فرمایا کہ میں ان تمام سے واقف نہیں ہوں۔ حتی کہ جب آپ نے اسی آیت کریمہ کی چالیسویں توجیہ بیان کی امام ازجی فرماتے ہیں کہ آپؒ کی ذات گرامی سے قرآن کریم کے ان لطائف و نکات کو سن کر محفل پہ وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، لوگوں نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا اور امام، واعظین علماء، فقہاء، مفسرین اپنے دانتوں میں انگلیاں لے کر بیٹھ گئے کہ اس آیت کریمہ کی اتنی توجیہات نہ ہم نے کبھی سنی اور نہ کبھی پڑھی تھیں جو شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کو اللہ پاک نے عطا فرمائی ہیں۔ یہ چالیس توجیہات بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا یہ سب ظاہر پہ تھیں جو علمانے بیان کی ہیں۔ اب ہم اِس آیت کے باطن کی طرف آتے ہیں، تو علما میں سے کئی لوگ ایسے وجد میں آئے کہ اپنے کپڑے پھاڑنے لگے"۔

اس لئے تصوف کی میراث محض کرامات، خرقِ عادت ہی نہیں ہے جو ہمارے ہاں مروج ہے بلکہ اس کی ایک علمی جہت بھی ہے جو کبار شیوخِ عظام کی زندگیوں کے مطالعے سے معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے جب بھی آپ اپنے آپ کو اہل تصوف سے منسوب کریں تو سب سے پہلے غور و فکر کریں اور اپنے دل و دماغ میں یہ معیار قائم کریں کہ صوفی کسے کہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ نے صوفی کو کیا قدرت و دسترس عطا کی ہوتی ہے!!!

اگر ناچیز متاسفانہ طور پہ، ندامت و شرمندگی اور جھکے سر سے یہ کہے تو کچھ غلط نہ ہو گا کہ فی زمانہ ہمارے ہاں ان نام نہاد ملنگوں اور ملاؤں کو صوفیاء کا نام دے دیا جاتا ہے جن کا تصوف سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی روایت پرستی کی بنیاد پر سوال کیا جاتا ہے کہ شریعت اور طریقت میں باہمی ربط کیا ہے؟ اصولاً دیکھا جائے تو یہ سوال ہی بے بنیاد ہے کیونکہ شریعت اور طریقت دو مختلف پہلو نہیں ہیں بلکہ طریقت شریعت ہی کی ایک ارتقاء یافتہ شکل ہے۔ راہِ طریقت پہ انسان تب ہی گامزن ہوتا ہے جب ظاہر میں علوم کثرت اختیار کر جائیں اور وجود میں عمل کی تاثیر پیدا ہو جائے۔ اور جب تک اعمال میں تاثیر پیدا نہ ہو انسان ترقی کر کے طریقت میں نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کو اتنی علمی وسعت عطا فرمائی تھی کہ آپؒ نے قرآن مجید کی دو تفاسیر مرتب فرمائیں۔ ایک کا نام "مسک الختام" ہے جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے مگر اس کا خطی نسخہ کتب خانۂ بغداد شریف میں موجود ہے۔ دوسری "تفسیر الجیلانی" جو کہ چھ جلدوں پر محیط ہے، استنبول اور بیروت سے چھپتی رہتی ہے۔ اردو میں بھی اس کی ایک دو جلدوں کا ترجمہ نظر سے گزرا ہے۔ اس کے علاوہ آپؒ کی کتب مبارکہ کی طویل ترین فہرست ہے جن میں چند مشہور قابل ذکر ہیں:

- الغنیۃ لطالبی طریق الحق (اخلاق و تصوف، اسلامی آداب و عقائد)
- الفتح الربانی و الفیض الرحمانی (یہ آپ کے وعظ و ارشاد کی مجالس کی گفتگو ہے)
- جلاء الخاطر من کلام شیخ عبد القادر (یہ بھی آپ کی مجالس کی گفتگو پر مشتمل ہے)
- فتوح الغیب (یہ عقائد، تصوف اور راہنمائی کے 78 مقالات پر مشتمل ہے)
- بہجۃ الاسرار (یہ بھی آپ کے وعظوں کا مجموعہ ہے)
- سر الاسرار (تصوف کے مبتدی و منتہی کے لئے عمدہ کتاب)
- الرسالۃ الغوثیۃ
- حزب الرجاء والانتہاء
- معراج لطیف المعانی
- یواقیت الحکم
- المواھب الرحمانیۃ
- الفیوضات الربانیۃ
- تحفۃ المتقین وسبیل العارفین
- رسائل شیخ عبد القادر (اس میں فارسی زبان میں 15 رسالے ہیں)
- دیوان شیخ عبد القادر (فارسی شاعری پر مشتمل دیوان)
- تنبیہ الغبی الی رؤیۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (خطی نسخہ)

❖ الرد علی الرافضۃ(خطی نسخہ)

❖ حزب عبدالقادر الکیلانی (خطی نسخہ)

(نوٹ: آپؒ کی بے شمار کتب تاتاریوں کے بغداد پر حملے کے دوران ضائع ہو گئیں جو انہوں نے 656ھ میں یعنی آپ کے وصال کی ایک صدی سے بھی کم عرصہ کے بعد حملہ کر دیا اور بغداد کے کتب خانوں سے کتابوں کو اٹھا کر دجلہ میں پھینک دیا)

جب ہم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے طریقِ تصوف کو دیکھتے ہیں تو نہ صرف تصوف کی حقیقی تصویر سمجھنے میں دُشواری نہیں رہتی بلکہ عصرِ حاضر کے صوفی کے اخلاق و کردار کی راہیں بھی متعین ہو جاتی ہیں، عوام کیلئے بھی اصلی اور جعلی صوفی کی شناخت کرنے میں مشکل ختم ہو جاتی ہے-

علمِ فقہ و فتاویٰ:

اب آیئے! علم فقہ پہ آپؒ کا فقہی مقام بیان کیا جائے!

”طبقات الکبریٰ“میں امام شعرانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

”کَانَ یُفْتِیْ عَلٰی مَذْہَبِ الْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ، وَالْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلَ (رحمۃ اللہ علیہما)

”آپ (مدظلہ الاقدس)امام الشافعی اور امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہما) کے فقہی مذہب پر فتویٰ دیتے تھے“-

آپؒ کے فتوے عراق کے علمائے کرام پر پیش کئے جاتے جنہیں دیکھ کر وہ شدید تعجب میں مبتلا ہو جاتے اور کہتے کہ سبحان اللہ! اللہ کا ان پر کتنا انعام ہے“-

یہاں غوث اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی فقہی مہارت کے متعلق ایک واقعہ بیان کرنا چاہوں گا کہ کس قدر اللہ تعالیٰ نے انہیں علمی بصیرت عطا فرمائی تھی- جیسا کہ منقول ہے کہ:

”علماء کے پاس ایک مسئلہ آیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کے لئے اس شرط پہ طلاقیں اٹھائیں ہوں کہ وہ ایسی عبادت کرے گا کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی دوسرا شخص ویسی عبادت نہیں کرے گا- اگر اس نے وہ عبادت کی تو ٹھیک اور اگر اسے ایسی عبادت میسر نہ آئی تو اس کی بیوی کی طلاقیں ہو جائیں گی- علمائے عجم نے غور و فکر کرنے کے بعد کہا کہ اس کو شام میں لے جائیں، مسئلہ شام میں گیا وہاں سے کوئی جواب نہ ملا، فتویٰ عراق میں گیا، حجاز میں گیا، پورے بلاد اسلامیہ اور بلادِ عرب میں وہ فتویٰ گیا لیکن کوئی مفتی و عالم اس مسئلہ کا جواب نہ دے سکا- بالآخر وہ مسئلہ شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تو آپؒ اسے دیکھتے ہی مسکرانے لگے- آپؒ نے فرمایا اس کے لئے گھوم رہے ہو ، لوگوں نے کہا جی ہاں!- آپؒ فرمایا تھوڑی مشقت کرنی پڑے گی لیکن مسئلہ حل ہو جائے گا- عرض

کی ارشاد فرمائیے، آپؒ نے فرمایا روئے زمین پر مساجد بے شمار ہیں کوئی ذکر یا وظیفہ نہیں بتایا جاسکتا کہ جس کی یہ گارنٹی ہو کہ روئے زمین پر کوئی اور نہیں کر رہا- ہاں زمین پر اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ ایک رکھا ہے جس کا طواف فقط واحد عبادت ہے جو کعبہ کے گرد طواف کی صورت میں ہوتی ہے- اس لئے ان تمام طواف کرنے والوں سے گزارش کیجیے کہ وہ کچھ دیر کے لئے رک جائیں اور جس شخص نے طلاقیں اٹھائی ہیں وہ اکیلا وہاں کعبہ کا طواف کرے تو یہ واحد عبادت ہے جو روئے زمین پر اس وقت کوئی اور نہیں کر رہا ہو گا صرف وہی کر رہا ہو گا“-

”سیر اعلام النبلاء“میں امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ:

”کَانَ عَبْدُ الْقَادِرِ مِنْ اَھْلِ جِیْلَانَ اِمَامَ الْحَنَابِلَۃِ، وَشَیْخَھُمْ فِیْ عَصْرِہٖ

”سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے زمانہ میں (تمام) حنابلہ کے شیخ و امام تھے-

یعنی آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے زمانے میں فقہ حنبلی کا سب سے بڑا شیخ اور امام آپ کو ہی سمجھا جاتا تھا- کثیر حوالہ جات اس بات کی شہادت کے طور پہ پیش کیئے جا سکتے ہیں کہ فقہ حنبلی کا آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے صحیح معنوں میں اَحیا فرمایا- علمائے حنابلہ کی ایک ایسی جماعت آپ کے مدرسہ میں تیار ہوئی جنہوں نے حنبلی منہج کو ازسرِ نَو واضح کیا جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا کہ آپؒ کے بعد جو ”شیخ الحنابلہ“ بنے وہ بھی آپؒ ہی کے شاگرد تھے-

علوم الحدیث:

اب آیئے! حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کے علمِ حدیث کی جانب کہ اللہ پاک نے آپؒ کو علمِ حدیث میں کتنی رفعت و وسعت عطا فرمائی ہے- اِس ضمن میں دو بنیادی باتوں پہ توجہ دلاؤں گا- ایک؛ آپ استاذ المحدثین تھے، بلادِ عرب کا کوئی ایسا شہر نہ تھا جہاں آپ کے شاگرد خدمتِ حدیث کیلئے نہ پہنچے ہوں- دو؛ آپ صرف استادِ حدیث یا محدث نہ تھے بلکہ حافظ الحدیث تھے- اَب آیئے اِن دونوں باتوں پہ مستند آئمہ حدیث و سِیَر کی گواہی دیکھیں-

امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ”سیر اعلام النبلاء“میں اور امام ابن رجب حنبلی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ”ذیل طبقاتِ حنابلہ“میں بیان کیا ہے کہ:

”حَدَّثَ عَنْہُ: السَّمْعَانِیُّ، وَ عُمَرُ بْنُ عَلِیِّ الْقُرَشِیُّ، وَ الْحَافِظُ عَبْدُ الْغَنِیِّ، وَالشَّیْخُ مُوَفَّقُ الدِّیْنِ بْنُ قُدَامَۃَ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَ مُوْسٰی وَلَدَاہُ، وَ الشَّیْخُ عَلِیُّ بْنُ اِدْرِیْسَ،

وَ أَحْمَدُ بْنُ مُطِيعِ الْبَاجِسْرَائِيُّ، وَ أَبُو هُرَيْرَةَ مُحَمَّدُ بْنُ لَيْثٍ الْوُسْطَانِيُّ، وَ أَكْمَلُ بْنُ مَسْعُودٍ الْهَاشِمِيُّ، وَ أَبُو طَالِبٍ عَبْدُ اللَّطِيفِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْقُبَّيْطِيِّ، وَخَلْقٌ"

"آپ (رحمۃ اللہ علیہ) سے امام سمعانی، عمر بن علی القرشی، الحافظ عبد الغنی، شیخ موفق الدین بن قدامہ اور آپ کے دونوں صاحبزادوں حضرت شیخ عبد الرزاق اور حضرت شیخ موسیٰ نے حدیث روایت کی ہے؛ اور شیخ علی بن ادریس، احمد بن مطیع، ابوہریرہ بن لیث وسطانی، اکمل بن مسعود ہاشمی، ابو طالب عبد اللطیف بن محمد بن قبیطی اور ایک مخلوق (آئمہ کی کثیر تعداد) نے روایتِ حدیث کی ہے"۔

محمد بن یحیٰ التاذفی (رحمۃ اللہ علیہ) "قلائد الجواہر" میں لکھتے ہیں کہ:

"اَلْحَافِظُ اَحَادِیْثُ جَدِّہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ"

"سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے جد امجد اپنے نانا جان آقا دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث کے حافظ تھے"۔ (یعنی آپؒ حافظ الحدیث تھے)

علم حدیث میں ماہرینِ حدیث کیلئے مختلف اعزازات ہیں، جیسے حجت، حاکم، حافظ، امیر المؤمنین فی الحدیث و دیگر - حضرت غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کیلئے محدثین نے "حافظ الحدیث" کا لقب کہا ہے - حافظ الحدیث ایک خاص اصطلاح ہے جس پہ پورا اُترنے کا ایک معیار (CRITERIA) ہے، جو اُس معیار پہ نہ ہو محدثین اُسے حافظ شمار نہیں کرتے -

"اَلْحَافِظُ وَ ھُوَ الَّذِیْ اَحَاطَ عِلْمُہٗ بِمِائَۃِ اَلْفِ حَدِیْثٍ مَتْنًا وَ اِسْنَادًا وَ اَحْوَالِ رُوَاتِہٖ جَرْحًا وَّتَعْدِیْلًا وَ تَارِیْخًا"

"حافظ حدیث وہ ہے جسے کم از کم ایک لاکھ احادیث متن اور اسناد کے ساتھ زبانی یاد ہوں اور وہ اس کی (سند میں آنے والے تمام) راویوں کے احوال اور اس کی جرح و تعدیل اور تاریخ سے واقف ہو"۔

اس لئے حافظ حدیث ہونا ایک الگ معیار ہے جو لازم نہیں ہے کہ ہر دور میں موجود ہو - اسی طرح امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) کو "خاتم الحفاظ" کہا گیا ہے -

امام جلال الدین السیوطی (المتوفیٰ: 911ھ) "طبقات الحفاظ" میں شیخ عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے تذکرہ میں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو حفاظ کے سترہویں طبقے میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ؛

عَبْدُ الرَّزَّاقِ ابْنُ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ الْجِيلِيُّ اَلْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ الزَّاهِدُ أَبُو بَكْرِ بْنِ أَبِي مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ

عبد الرزاق ابن شیخ عبد القادر الجیلانی، الامام، الحافظ، المحدث، الزاہد، ابو بکر بن ابو محمد بن ابو صالح

اسی طرح امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان شخصیات کو جمع کیا ہے جو آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث کے حفاظ ہو گزرے ہیں؛ اس میں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

الشَّيْخُ الْقُدْوَةُ أَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِ الْقَادِرِ ابْنِ أَبِي صَالِحٍ الْجِيلِيِّ الْإِمَامُ الْمُحَدِّثُ الْحَافِظُ الزَّاهِدُ

یعنی امام سیوطی اور امام ذہبی اور محمد بن یحیٰ التاذفی (رحمۃ اللہ علیہما) نے حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے -

امام شمس الدین الذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی ایک اور کتاب "المعین فی طبقات المحدثین" میں حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے لے کر اپنے زمانے تک کے 2424 محدثین کرام کا تذکرہ کیا ہے جن میں سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کو 550ھ کے مشائخ الحدیث میں شمار کیا ہے - جبکہ آپؒ کے صاحبزادگان حضرت شیخ ابو نصر موسیٰ بن شیخ عبد القادر الجیلانی اور حضرت ابو نصر شیخ عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر الجیلانی کو 600ھ سے لے کر 625ھ تک کے درمیان مذکور مشائخ الحدیث میں شمار کیا ہے - اسی طرح آگے آپؒ کے پوتے شیخ العماد نصر بن عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر الجیلانی کو بھی مشائخ الحدیث میں شمار کیا ہے"۔

اسی طرح امام ذہبی (رضی اللہ عنہ) نے "سیر اعلام النبلاء" میں سیدنا غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کے فرزند سیدنا شیخ عبد الرزاق (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی حافظ الحدیث فرمایا اور آپؒ کے صاحبزادے فضل اللہ بن عبد الرزاقؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِبْنُ الْحَافِظِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ ابْنِ الْإِمَامِ الْقُدْوَةِ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ

خود بھی حافظ الحدیث، بیٹے بھی حفاظِ حدیث؛ خود بھی ساری زندگی اپنے نانا جان حضرت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی میراثِ علم کی حفاظت کی اور اولاد کو بھی یہی راستہ دکھایا - یہ تھے طریقہ قادریہ کے بانی اور یہ تھا تصوف و تزکیہ پہ اُن کا عملی طریق اور یہ تھا اُن کی بصیرت (VISION) میں ایک صوفی کا کردار -

سوال یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ میں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے علمی کمالات کو جان کر کیا نقشہ اُبھر تا ہے کہ اس امت کو بیدار کرنے کے لئے آج کے صوفی کو کیسا ہونا چاہیے؟؟؟

تربیتِ اولاد:

اب آیئے کہ! سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے خانوادے کی تربیت کیسے کی؟ آپ کے بعض سیرت نگاروں نے دس، بعض نے گیارہ اور بعض نے بارہ فرزند لکھے ہیں۔ جن میں سے اختصار سے ایک ایک جملے کے ساتھ آپ کے آٹھ فرزندوں کا ذکر کیا جائے گا جس سے بخوبی اندازہ ہو گا کہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے فرزندوں کو کیسا صوفی بنتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے اور کس طرح تصوف کی ترویج و اشاعت چاہتے تھے۔

شیخ عبد الوھاب بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

وَ كَانَ فِي طَلِيْعَةِ أَوْلَادِهٖ، وَالَّذِيْ دَرَّسَ بِمَدْرَسَةِ وَالِدِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ نِيَابَةً عَنْهُ، وَبَعْدَ وَالِدِهٖ وَعَظَ وَ أَفْتٰى وَ دَرَّسَ، وَ كَانَ حُسْنَ الْكَلَامِ فِيْ مَسَائِلِ الْخِلَافِ فَصِيْحاً ذَا دُعَابَةٍ وَّ كِيَاسَةٍ، وَ مُرُوْءَةٍ وَّ سَخَاءٍ، وَ قَدْ جَعَلَهُ الْإِمَامُ النَّاصِرُ لِدِيْنِ اللهِ عَلَى الْمَظَالِمِ فَكَانَ يُوْصِلُ حَوَائِجَ النَّاسِ إِلَيْهِ۔

ان کا شمار بڑے صاحبزادگان میں ہوتا تھا جنہوں نے اپنے والد (شیخ عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ)) کے مدرسہ میں آپ کی زندگی کے دوران ہی آپ کی نیابت کرتے ہوئے تدریس فرمائی۔ پھر آپ کے بعد وعظ فرمایا، فتویٰ نویسی کی اور درس و تدریس فرمائی۔ اختلافی مسائل میں فصاحت، عمدہ مزاح اور مہذبانہ انداز میں بڑی اچھی گفتگو کے مالک تھے۔ صاحب مروت اور سخاوت والے تھے۔ امام "النَّاصِرُ لِدِيْنِ اللهِ" نے آپ کو لوگوں کے شکایات سننے پر معمور فرما دیا، پس آپ لوگوں کی ضروریات کو امام تک پہنچاتے تھے۔

شیخ عیسیٰ بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

اَلَّذِيْ وَعَظَ وَ أَفْتٰى وَ صَنَّفَ مُصَنَّفَاتٍ مِّنْهَا كِتَابٌ "جَوَاهِرُ الْأَسْرَارِ وَ لَطَائِفُ الْأَنْوَارِ" فِيْ عِلْمِ الصُّوْفِيَّةِ، قَدِمَ مِصْرَ وَحَدَّثَ فِيْهَا وَوَعَظَ وَ تَخَرَّجَ بِهٖ مِنْ أَهْلِهَا غَيْرُ قَلِيْلٍ مِّنَ الْفُقَهَاءِ

"حضرت شیخ عیسیٰ نے بھی تدریس کی، وعظ فرمایا اور کئی کتب تحریر فرمائیں جن میں سے ایک کتاب "جواہر الاسرار و لطائف الانوار" صوفیاء کے علم کے بارے میں ہے۔ آپ مصر تشریف لے گئے اور وہیں حدیث پاک کی تدریس فرمائی اور وعظ و نصیحت کی۔ مصر کے بے شمار فقہاء آپ سے فیض یافتہ ہیں"۔

شیخ عبد العزیز بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

وَ كَانَ عَالِماً مُتَوَاضِعًا، وَ عَظَ وَ دَرَّسَ، وَ خَرَّجَ عَلٰى يَدَيْهِ كَثِيْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ، وَ كَانَ قَدْ غَزَا الصَّلِيْبِيِّيْنَ فِيْ عَسْقَلَانَ وَزَارَ مَدِيْنَةَ الْقُدْسِ وَرَحَلَ جِبَالَ الْجِيَالِ

"حضرت شیخ عبد العزیز ایک تواضع پسند عالم تھے جنہوں نے وعظ بھی فرمایا اور تدریس بھی کی۔ بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہمراہ "عسقلان" میں صلیبیوں سے جنگ بھی فرمائی"، قدس میں زیارت و قیام فرمایا۔

شیخ عبد الجبار بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

"تَفَقَّهَ عَلٰى وَالِدِهٖ وَ سَمِعَ مِنْهُ وَ كَانَ ذَا كِتَابَةٍ حَسَنَةٍ، سَلَكَ سَبِيْلَ الصُّوْفِيَّةِ"

"آپ نے اپنے والد گرامی سے علم فقہ حاصل کیا اور حدیث پاک کی سماعت کی۔ آپ بہت اچھی کتابت فرماتے تھے۔ آپ بھی صوفیاء کے طریقے پر چلے"۔

شیخ عبد الرزاق بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

"وَ كَانَ حَافِظًا مُتْقِنًا حُسْنَ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيْثِ فَقِيْهًا عَلٰى مَذْهَبِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، وَرِعًا مُنْقَطِعًا فِيْ مَنْزِلِهٖ عَنِ النَّاسِ، لَا يَخْرُجُ إِلَّا فِي الْجُمُعَاتِ"

"حضرت شیخ عبد الرزاق متقی، حافظ، حدیث پاک کا عمدہ علم رکھنے والے اور امام احمد بن حنبل کے مسلک پر فقیہ تھے۔ آپ انتہائی پرہیز گار تھے اور اپنے گھر میں (بھی) لوگوں سے (ملنے سے) کنارہ کشی فرماتے تھے۔ آپ صرف نمازِ جمعہ کیلیے ہی باہر تشریف لایا کرتے تھے"۔

شیخ ابراھیم بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

تَفَقَّهَ عَلٰى وَالِدِهٖ وَ سَمِعَ مِنْهُ وَ رَحَلَ إِلٰى وَاسِطِ فِي الْعِرَاقِ، وَتُوُفِّيَ بِهَا سَنَةَ 592ھ.

"حضرت شیخ ابراھیم نے اپنے والد گرامی (شیخ عبد القادر الجیلانی قدس اللہ سرّہ) سے فقہ حاصل کی اور حدیث پاک کی سماعت کی۔ آپ نے عراق میں "واسط" کی طرف کوچ فرمایا اور وہیں پر 592ھ میں وفات پائی۔

شیخ یحیی بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

كَانَ فَقِيْهًا مُحَدِّثًا نِ انْتَفَعَ النَّاسُ بِهٖ، وَ رَحَلَ إِلٰى مِصْرَ ثُمَّ عَادَ إِلٰى بَغْدَادَ وَ تُوُفِّيَ فِيْهَا سَنَةَ 600ھ، وَدُفِنَ بِرِبَاطِ وَالِدِهٖ فِي الْحَلْبَةِ.

"حضرت شیخ یحییٰ بہت بڑے فقیہ تھے جن سے لوگوں کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ پہلے آپ مصر کی طرف تدریس و تعلیم

اور ارشاد و تلقین کیلئے تشریف فرما ہوئے پھر بغداد لوٹ آئے اور یہیں 600ھ میں وفات پائی اور "حلبہ" میں اپنے والد گرامی کی خانقاہ میں مدفون ہوئے"۔

شیخ موسیٰ بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ):

تَفَقَّهَ عَلَى وَالِدِهِ وَسَمِعَ مِنْهُ وَرَحَلَ إِلَى دِمَشْقَ وَحَدَّثَ فِيهَا وَاسْتَوْطَنَهَا، ثُمَّ رَحَلَ إِلَى مِصْرَ وَعَادَ إِلَى دِمَشْقَ وَتُوُفِّيَ فِيهَا وَهُوَ آخِرُ مَنْ مَاتَ مِنْ أَوْلَادِهِ.

"حضرت شیخ موسیٰ نے اپنے والدِ گرامی (شیخ عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) سے فقہ سیکھی اور حدیث پاک کی سماعت کی- آپ نے "دمشق" کی طرف سفر فرمایا، وہیں (ہزاروں تلامذہ کو) حدیث پاک پڑھائی اور وہیں رہائش اختیار فرمائی- پھر آپ مصر بھی منتقل ہوئے لیکن دمشق لوٹ آئے اور وہیں وفات پائی- آپ اپنے والد گرامی کی اولاد میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے"۔

اب آیئے! حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کے پوتوں اور پر پوتوں کی علمی وسعت کی جانب- امام ابن رجب الحنبلی (رحمۃ اللہ علیہ) "ذیل طبقات حنابلہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"الحافظ عبد الرزاق بن شیخ عبد القادر الجیلانی کے فرزند شیخ نصر بن عبد الرزاق (غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کے پوتے) قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے تک پہنچے اور آپ کے پرپوتے شیخ محمد بن نصر بن عبد الرزاق (حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کے پر پوتے) بھی قاضی القضاۃ کے عہدے تک پہنچے لیکن بعد میں اسے ترک کرکے اپنے پردادا کے مدرسے میں تدریس شروع فرمادی"۔

حضور غوثِ پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کے پر پر پوتے شیخ محمد بن نصر بن عبد الرزاق بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) کے بیٹے شیخ احمد ظہیر الدین بھی قاضی القضاۃ تھے، اِن کے فرزند اناطولیہ کے طرف ہجرت فرما کر گئے اور وہاں عامۃ الناس کی تدریس و تربیت فرمائی-

سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت غوثِ پاک شیخ عبد القادر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) خود صوفیٔ باعمل، محدث و فقیہ، بیٹے صوفیٔ باعمل، محدث و فقیہ، پوتے صوفیٔ باعمل، محدث و فقیہ، پر پوتے صوفیٔ باعمل، محدث و فقیہ، پر پر پوتے صوفیٔ باعمل، محدث و فقیہ- یہاں پھر یہی سوال قائم ہوتا ہے کہ سلسلہ قادریہ سے منسوب صوفیاء اور صوفیانہ تحریکوں کا اپنے شیخ اور اُن کے عظیم خانوادے کے مثالی کردار کو سامنے رکھتے ہوئے کیا معیار اور فریضہ بنتا ہے؟

اختتامیہ:

پیرانِ پیر (رحمۃ اللہ علیہ) کو اگر رول ماڈل مانا جائے تو جس شخص کا تعلق شریعتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نہیں ہے اس کو صوفی کا لقب دینا یا پیر فقیر کہنا تصوف اور پیری فقیری پہ ایک بدنما دھبہ لگانے کے مترادف ہے- کیونکہ اصلاً صوفی ہوتا ہی وہ ہے جس کا رابطہ شریعتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ قائم ہو جائے-

اسی طرح جب صلاح الدین ایوبی بیت المقدس کی فتح کے لئے جہاد کرتا ہے تو غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کے شہزادے اور آپؒ کے مدرسے کے طلباء اس کے ہمراہ ہوتے ہیں- سیرت نگاروں نے مختلف روایات بیان کی ہیں جن میں بعض نے طلباء کی تعداد چار ہزار اور کسی نے چالیس ہزار لکھی ہے- اگر فقط چار ہزار پر بھی اکتفا کیا جائے تو یہ تعداد بھی ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان صوفیاء نے کس طرح خود کو علم، تفکر، جدوجہد اور ملی مسائل کے ساتھ وابستہ کیا-

اس لئے جب ہم خود کو قادری کہتے ہیں اپنے گھروں اور مساجد میں شیخ عبد القادر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ختم گیارہویں شریف سے فیض پاتے ہیں تو ہم پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اپنی اولاد اور پوتوں کی تربیت بھی اسی اسلوب دینی و ملی و علمی پہ کریں جس کے اوپر سیدی شیخ عبد القادر الجیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے بیٹوں، پوتوں اور پرپوتوں کی تربیت فرمائی تھی-

اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم العارفین یہی دعوت و پیغام لے کر آئی ہے آئیں اس جماعت میں شامل ہو کر اپنے ظاہر و باطن کو سنوار کر اپنے قلب و اذہان کو منور کریں اور ملک و قوم کے لئے اپنی احساسِ ذمہ داری کو سمجھیں- کیونکہ یہ پیغام محبت و اخوت کا پیغام ہے- خاص کر جو معتقدین اور مریدین حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باھو اور حضور غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہما) سے اپنی روحانی عقیدت و نسبت رکھتے ہیں ان پر یہ لازم ہے کہ وہ فقط زبانی کلامی عقیدت کے بجائے اپنے وجود کو ان کے اس طریقِ عمل اور کردار کے نمونے میں ڈھالیں تاکہ ہمارے وجود سے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخلاق، محبت و شریعت کی خوشبو آئے-

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے- آمین!

☆☆☆

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کے نظریہ علم میں عقل کی بحث

لئیق احمد

نظریۂ علم یا "علمیات" جسے انگریزی زبان میں Epistemology کہتے ہیں- یہ فلسفے کی ایک اہم شاخ ہے اور اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ یہ وہ علم ہے جس میں حاصل کردہ معلومات کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے- اس شاخِ علم کا مقصد خود علم کے اپنے بارے میں جاننا ہے کہ علم فی نفسہٖ کیا ہے؟ علم کے مقاصد کیا ہیں؟ یا کیا ہونے چاہئیں؟ ایک آدمی علم سے کیا حاصل کر سکتا ہے؟ اور علم سے کیا حاصل کیا جانا چاہیے؟ علم کی حقیقی بنیاد کیا ہے؟ علم کے حصول کے ذرائع کیا ہو سکتے ہیں؟ علم کا صحیح یا غلط مصرف و استعمال کیا ہے؟ یہ اِس شاخِ علم کے متعلق محض چند ایک بنیادی سے سوالات ہیں-

اس شاخ علم کی سب سے اہم بحث یہ ہے کہ حصولِ علم کا بنیادی اور سب سے اہم ذریعہ کیا ہے؟ جس پر اہل فلاسفہ کے ہاں ایک طویل بحث ملتی ہے- بعض فلاسفہ جنہیں (rationalists) کہا جاتا ہے کہ نزدیک حصولِ علم کا بنیادی اور سب سے اہم ذریعہ عقل ہے جبکہ بعض فلاسفہ جنہیں (empiricists) کہا جاتا ہے کہ نزدیک حواسِ خمسہ ہے-

عقل کے حوالے سے ایک بات ذہن نشین رہنی چاہئے عقل پسندی اور عقل پرستی دو الگ الگ رویے ہیں- نہ صرف صوفیائے کرام کے ہاں بلکہ اہلِ فلسفہ کے نزدیک بھی یہ دونوں گروہ ہمیشہ موجود رہے ہیں- ہر ذی شعور و ذی عقل بنیادی طور پہ "عقل پسند" ہوتا ہے لیکن جہاں اختلاف ہے وہ مقام عقل پسندی نہیں بلکہ "عقل پرستی" ہے- یہ رویہ نہ صرف صوفیا میں رہا بلکہ فکرِ یونان میں بھی، فلاسفۂ اسلام میں بھی اور حتّٰی کہ جدید مغرب میں بھی پایا جاتا ہے-

فلاسفۂ یونان میں دو گروہ تھے ایک وہ جو مؤحّد فلسفی تھے جنہیں امام غزالیؒ نے "الٰہیّین" کہا ہے- دوسرا گروہ مُلحد فلسفیوں کا تھا- اوّل الذکر کی نمائندگی افلاطون، ارسطو اور فلاطینوس کرتے ہیں جبکہ آخر الذکر کی نمائندگی ڈیموکریٹس، لیوکریٹس اور اپی کیورکرتے ہیں- پہلا گروہ عقل پسند تھا مگر انسان میں عقل سے بالا تر قوتوں کا بھی اقرار کرتا تھا اور تصورِ خدا کا اثبات کرتا تھا چاہے وہ کسی بھی صورت میں تھا- جبکہ دوسرا گروہ عقل پرست یعنی مُلحد تھا اور عقل سے وریٰ ہر جذبے اور اس کے امکان کی نفی کرتا تھا اور کسی بھی "supreme existence" کا انکار کرتا تھا-

اگر اسلام کی فکری تاریخ میں دیکھیں تو یہاں بھی دونوں گروہ ملیں گے، اشاعرہ اور ماتریدیہ نے عقلی دلائل و براہین پہ عقیدہ کو ثابت کیا، قرآن کی تاویل کی اور عقل پسندی کو فروغ دیا- جبکہ معتزلہ اور فلاسفہ کی دیگر ذیلی شاخوں نے عقل پسندی کی بجائے عقل پرستی کو فروغ دیا- حتّٰی کہ وہ قرآنی آیات کا بھی یہ کہہ کر انکار کرتے کہ "اس آیت کو ماننا خلافِ عقل ہے" - ایسا نظریہ یقیناً انکارِ وحی کی ایک صورت اور اپی کورئین فلسفے کا تسلسل ہے-

اگر جدید مغرب میں دیکھا جائے تو ان کے ہاں یونانی فلسفیوں میں دوسرے گروہ کو زیادہ اپنایا گیا خاص طور پہ اپی کیوریئن فلسفہ کو، اِس لئے آگے چل کر جیسے جیسے کلیسا کا اثر ٹوٹا مغربی فکر و دانش نے مکمل طور پہ عقل پرستی اختیار کر لی- جس کو مزید جلا ڈارون کے نظریے نے دی- جتنے بھی ڈاروینئن مفکرین ہیں وہ عموماً پوری شدت پسندی کے ساتھ "عقل پرست" ہوتے ہیں- جبکہ ڈارون کے نظریات سے اختلاف رکھنے والے مفکرین آج بھی عقل پرستی کی بجائے عقل پسندی کے پیرو ہیں-

جب ہم صوفیائے کرام کی تعلیمات میں جھانکتے ہیں تو بالیقین یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے افکار انسانی عقل کا بہترین شاہکار ہیں- صوفیا جس عقل کی نفی کرتے ہیں بنیادی طور پہ وہ "عقل پرستی" ہے جو راہِ خُدا سے دُور لے جاتی ہے اور انسانی مقاصد کو یوں

دھندلا دیتی ہے کہ انسان اپنے مقصدِ تخلیق سے غافل ہو جاتا ہے- یہی وہ نقطہ ہے جہاں صوفیا کا ظاہر پرستوں سے اختلاف شروع ہوتا ہے-

صوفیائے کاملین نے عقل پہ بہت نفیس اور لطیف مباحث فرمائے ہیں-صوفیاء کی اکثریت یا تو اشعری تھی یا ماتریدی، اِسلئے وہ عقل پسند تو تھے مگر عقل پرست نہ تھے- وہ عقل کا انکار نہیں کرتے بلکہ عقل کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

1. عقلِ جُز 2. عقلِ کُل

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ عقلِ کُل سے مراد عقلِ صادق کی تائید ہے اور عقلِ جُز سے مراد ایسی عقل ہے جو اپنے خول سے باہر نہیں جا سکتی، اسی محدودیت کی وجہ سے وہ خود پرستی کا شکار ہوتی ہے-

زیرِ نظر تحریر میں ہم معروف عارف باللہ و صوفی دانشور سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھُو (قدس سرہ العزیز) کے عقل سے متعلق مباحث بالخصوص عقلِ جُز و عقلِ کُل کا جائزہ لیں گے- تاکہ یہ جان سکیں کہ اس بارے آپؒ کے افکار و خیالات ہماری کیا راہنمائی کرتے ہیں-

عقلِ جز و عقلِ کُل کی بحث:

انسانی جسم میں عقل وہ جوہر ہے جس کے بغیر حواس خمسہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے-مثلاً آنکھ خود فیصلہ نہیں کر سکتی کہ کوئی نظارہ خوبصورت ہے یا بدصورت، آنکھ کا کام بس یہ ہے کہ وہ ان نظاروں کو محفوظ کر کے عقل کی طرف منتقل کر دیتی ہے، یہ فیصلہ عقل کرتی ہے کہ وہ نظارہ خوبصورت ہے یا نہیں- اسی طرح کان خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس تک پہنچنے والی آواز سریلی ہے یا نہیں، یہ فیصلہ عقل کرتی ہے اور یہ عمل اتنی تیزی سے ہوتا ہے کہ ہمیں اس بات کا اندازہ نہیں ہو پاتا- مختصر یہ کہ کسی بھی نتیجے پر پہنچنے کے لئے حواس خمسہ عقل کے محتاج ہیں- تعلیماتِ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کے مطابق عقل کو توانائی کی ضرورت ہوتی ہے- اگر انسان کا نفس بیدار ہو اور قلب مردہ ہو جائے تو عقل کو رہنمائی اور توانائی نفس امارہ کی جانب سے ملتی ہے جس کے باعث عقل شر کو اختیار کر کے جز تک محدود ہو جاتی ہے اور انسان میں بے یقینی کی مقدار بد اعتقادی تک بڑھ جاتی ہے- اگر انسان کے وجود میں قلب زندہ اور نفس مردہ ہو تو اس عقل کو رہنمائی اور توانائی قلب کی جانب سے ملتی ہے جو اس عقل کو خیر کی طرف راغب کرتی ہے- ایسے شخص کے وجود میں عقل کل بیدار ہو جاتی ہے- جیسا کہ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

”جس کی عقل بیدار ہو وہ کلی طور پر مشرف دیدار رہتا ہے- جس نے یہ مرتبہ پالیا وہ جمعیت و اعتبار و یقین سے سرفراز ہو گیا“-[1]

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) عقل کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں- (1) عقل جز اور (2) عقل کل-

جیسا کہ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

”جان لے کہ آدمی کے وجود میں دو عقل ہیں، ایک عقل کل ہے اور دوسری عقل جز ہے“-[2]

بعین اسی طرح سائنس بھی عقل کو دو حصّوں میں تقسیم کرتی ہے اور کہتی ہے کہ عقل کا ایک حصّہ شعور ہے اور ایک لا شعور ہے- آگے بڑھنے سے پہلے ایک بار پھر یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ حضرت سُلطان باھُو کے نزدیک عقلِ جُز تو یقیناً عقل پرستی کی ایک شکل ہے- لیکن عقلِ کُل سے مراد صرف عقل پسندی ہی نہیں بلکہ عقل پسندی کے ساتھ ساتھ اپنی عقل کو خالص طلبِ حق میں لگانا ہے تاکہ عقل کا وظیفہ ہی یہی بن جائے کہ ہر وقت مالکِ حقیقی کی طرف اور زندگی کے مقصودِ اصلی کی طرف راغب و متوجہ رہے-

عقل جز کا رد تعلیماتِ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کی روشنی میں:

مغربی فکر و فلسفہ زیادہ تر عقلیت پرستی (اپی کیورئین و ڈارون ازم) پر کھڑا ہے- مذہب سے تعلق رکھنے والے تمام امور جو انہیں ماورائے عقل نظر آتے ہیں ان کا وہ انکار کر دیتے ہیں- حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک مادیت پرست اور نفس پرست عقل جز کے حامل ہوتے ہیں (یعنی سابقہ بحث کی روشنی میں عقل پسند کی بجائے عقل پرست ہوتے ہیں)، چاہے جتنا مرضی علم حاصل کر لیں ان کا علم معرفت حق تعالیٰ (یعنی مقصدِ حیات) تک پہنچنے میں ان کے آگے حجاب بن جاتا ہے-

جیسا کہ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

---

[1] (عقل بیدار) [2] (محک الفقر کلاں)

"وہ عجیب غافل لوگ ہیں جو عقل جز کی قید میں آکر علمِ جز کے مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اُنہیں علم کل حاصل ہے"۔[3]

عقل جز کی نارسائی کی وضاحت میں حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی تصنیف "محک الفقر کلاں" میں امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک قول رقم فرماتے ہیں:

"جب مجھے تھوڑی سی عقل اور تھوڑا سا علم حاصل ہوا تو میں اس خود فریبی میں مبتلا ہو گیا کہ میں محرم اسرار ہو گیا ہوں لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ عقل بھی غفلت شعار ہے اور علم بھی حجاب اکبر ہے تو میں ان دونوں سے بیزار ہو گیا"۔[4]

اپنی اسی کتاب میں آپؒ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"عارفوں کا انتہائی مقام نورِ الٰہی کا استغراق ہے جو حضوری کا مقام ہے وہاں عقل و فکر (یعنی عقل جز و فکرِ خام) کی گنجائش نہیں"۔[5]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"حضوریٔ حق سے مشرف کرنے والا علم وصال اور چیز ہے اور عقل (عقل جز) و شعور کو جِلا بخشنے والا علم اور چیز ہے"۔[6]

بعینہٖ اسی طرح سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ نے طالبانِ مولیٰ کی رہنمائی فرماتے ہوئے عشق کو عقلِ جز پر سبقت لے جانے کی نصیحت یوں فرمائی ہے:

رحمت اُس گھر وِچ وَسّے، جِتھے بَلدے دِیوے ھو
عشق ہوائی چڑھ گیا فلک تے، کِتھے جہاز گھتیوے ھو
عقل فکر دی بیڑی نوں، چا پہلے پور بوڑیوے ھو
ہر جا جانی دِسے باھو، جِت ول نظر کچیوے ھو

یعنی رحمتِ الٰہی اس دل پر برستی ہے جہاں عشقِ الٰہی کے چراغ روشن ہو گئے ہوں- میرے عشق کا سمندر دریائے وحدت تک چلا گیا- اب جہاز کو وہاں کیسے لنگر انداز کیا جائے- عقل و فکر (یعنی عقل جز و فکرِ خام) کی کشتی کو تو عشق کی راہ پر چلتے وقت ہی ڈبو دینا چاہیے- اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ جدھر نظر اٹھائیں ہمیں ہر طرف ذاتِ حق تعالیٰ نظر آتی ہے-

عقل کل تعلیماتِ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کی روشنی میں:

عقل کی اِس حالت کو حضرت سُلطان باھُو نے عقلِ کُل بھی کہا ہے اور عقلِ بیدار بھی کہا ہے- حضرت سلطان باھوؒ عقل کل کو ذات حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"عقل (عقل کل) وہ ہے جو خدا تک راہنمائی کرے"۔[7]

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"عقلِ کُل دربار حق تک پہنچانے والی سواری کی مثل ہے"۔[8]

عقلِ جز یقین کی دولت سے سرفراز نہیں کرتی- جیسا کہ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"عقلی دلیل نقل کے موافق ہوتی ہے اور یقینی دلیل یقین کے موافق ہوتی ہے"۔[9]

جبکہ صاحب عقل کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے آپؒ لکھتے ہیں:

"جس آدمی کا دل پر جوش ہو، حوصلہ دریا نوش ہو اور وہ لب بستہ خاموش ہو اُسے صاحبِ عقل کل کہتے ہیں یعنی وہ ہر وقت جوشِ دل کے ساتھ خاموش عبادت میں مصروف رہتا ہے"[10]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"عقلِ کُل اسے کہتے ہیں جو تمام کل و جز پر حاکم ہے"۔[11]

اسی لئے آپؒ سالک حق تعالیٰ کو یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ:

"عقلِ جزوی کو چھوڑ کر عقلِ کلی حاصل کر"۔[12]

تعلیماتِ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کی روشنی میں صاحبان عقل کون ہیں:

تعلیمات حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک صاحبان عقل وہ ہیں جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور اللہ کے احکامات اور شریعت کی پاسداری کرتے ہیں- جیسا کہ آپؒ فرماتے ہیں:

"عقلمند ہے وہ جو سب سے پہلے طالبِ اللہ ہو پھر مرید محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو، موافقِ قرآن اور مخالفِ دنیا و نفس و شیطان ہو اور شریعت کا عامل ہو"۔[13]

عاقل کی وضاحت کرتے ہوئے آپؒ فرماتے ہیں:

"علم کے تین حرف ہیں اور عقل کے بھی تین حرف ہیں، علم و عقل یکجا ہو جائیں تو شرفِ انسانیت نصیب ہو جاتا ہے"-

"عاقل ہمیشہ اللہ کی طلب میں مستغرق رہتا ہے اور اللہ کی طلب میں تمام مطالب حل ہوتے ہیں"-

[3] (عقل بیدار) [4] (محک الفقر کلاں) [5] (ایضاً) [6] (عقل بیدار) [7] (عین الفقر، باب ششم) [8] (محک الفقر کلاں) [9] (ایضاً) [10] (ایضاً) [11] (عقل بیدار) [12] (عین الفقر، باب چہارم) [13] (عقل بیدار)

"انبیاء کی عقل ذاتِ حق کا عطیہ ہے اور اولیاء کی عقل اُنہیں معیتِ حق سے سرفراز کرتی ہے"۔

"عاقل اہل نظر ہوتا ہے جو ہمیشہ مجلس نبوی علیہ الصلوٰۃ و السلام میں حاضر رہتا ہے۔ عاقل ہمیشہ طالبِ حق ہوتا ہے اور طالبِ دنیا شقی و بدبخت ہوتا ہے"۔[14]

صاحبان عقل کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے آپؒ فرماتے ہیں:

1. عقل نورِ حق ہے جو چاند کی طرح آفتابِ حق سے روشن ہوتی ہے۔
2. دل کا اندھا عقل ورائے سے محروم ہوتا ہے اور وہ وحدتِ حق کی معرفت سے بے خبر رہتا ہے۔
3. عارفوں کی عقل ذاتِ حق کا عطیہ ہے اور وہ اوراقِ دل کے مطالعہ سے علم و حلم حاصل کرتے ہیں۔
4. امر کن کی حقیقت سے مَیں نے ایک نکتہ اخذ کیا اور اُس نکتے سے مَیں نے ذاتِ جاوداں کو پایا۔
5. مَیں قرآن کی ایک ایک آیت کی تہہ تک پہنچا اور اُسے اپنا رفیقِ راہ بنایا۔
6. عقل ایک راز ہے اُسے ادب میں تلاش کر، اُس کو پانے کا طریقہ بے عقل و بے ادب سے مت پوچھ۔
7. جس کے پاس عقل ہے وہ ہمیشہ خاموش رہتا ہے کہ اہلِ لاھُوت ہمیشہ لب بستہ خاموش ہی رہتے ہیں۔[15]

تعلیماتِ حضرت سلطان باھُوؒ میں بے عقل کون ہیں:

تعلیمات حضرت سلطان باھُوؒ کے نزدیک بے عقل وہ ہیں جو اللہ پاک کی ذات سے غافل، نفس و شیطان کی پیروی کرنے والے اور دنیا کی محبت میں گرفتار ہوں۔ ایسے لوگ قربِ حق تعالیٰ سے دور ہونے کے سبب ایسے سیاہ دل ہو جاتے ہیں کہ شریعت کا مذاق اڑانے لگتے ہیں اور اسے معمولی جانتے ہیں۔ جیسا کہ آپؒ فرماتے ہیں:

"اہل بدعت فقیر فقیری کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن فقیر ہوتے نہیں۔ وہ گدا ہیں اور غلام نفس و ہوا ہیں۔ محروم از معرفت خدا ہیں اور حصول رزق کی خاطر سائلین بے حیاء ہیں یہ داڑھی منڈے عمر بھر طریقت و معرفت کا منہ نہیں دیکھتے کہ یہ بے دیدہ لقمہ رزق کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ ایسے اہل بدعت فقیروں کی فقیری دونوں جہاں کی روسیاہی ہے۔ یہ روسیاہ لوگ رات دن شراب و گناہ میں غرق رہتے ہیں انہیں روحانیت کے احوال کی خبر نہیں ہوتی"۔[16]

جیسا کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمانِ عالیشان ہے:

"دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس شخص کا مال ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو، اسے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کے پاس کوئی عقل نہ ہو"۔[17]

اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں:

"اے درویش! غافل مردہ ہے جو ان تین دشمنوں سے باخبر رہے یعنی نفس سے کہ وہ دشمن جان ہے، شیطان سے کہ وہ دشمن ایمان ہے اور دنیا سے کہ وہ دشمن موجبِ زیان ہے۔ جو لوگ ان تین دشمنوں سے بے خبر ہیں وہ احمق و نادان و بے عقل و بے دانش و مطلق جاہل ہیں"۔[18]

دنیا طالبانِ مولیٰ کو بے عقل سمجھتی ہے اور حالانکہ وہ عاقل ہوتے ہیں جیسا کہ آپؒ فرماتے ہیں:

"سن طالبِ مولا نگاہ خلق میں بے عقل ہوتا ہے مگر علم معرفت کی بدولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک عاقل ہوتا ہے"۔[19]

خلاصہ بحث:

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعلیمات کی روشنی میں عقلِ جز حقیقتِ مطلقہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ ذاتِ حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے جو عقل انسان کی رہنمائی کرتی ہے وہ عقل کل ہے اور یہ عقل تب بیدار ہوتی ہے جب انسان اپنے حقیقی وجود یعنی روح کو اللہ پاک کے قلبی ذکر اسم اللہ ذات سے بیدار کر لیتا ہے۔ پھر یہ عقل نور حق کا کام دیتی ہے اور اس کے فیصلے معاشرے میں خیر کو رائج کرتے ہیں اور شر کو جڑ سے ختم کرتے ہیں۔ حضرت سُلطان باھُوؒ کی تعلیمات میں عقل کی بابت جو کہا گیا ہے اُس سے جو بُنیادی نِکات اخذ ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھُو کے نزدیک (1) عقل نور ہے۔ (2) صاحبِ عقل اہلِ لاہوت ہوتا ہے۔ (3) عقل شرفِ انسانی ہے۔ (4) عقل اہلِ ادب سے ملتی ہے۔ (5) عقل اللہ کا عطیہ ہے۔ (6) دل کی آنکھ سے محروم عقل سے محروم ہوتا ہے۔ (7) اہلِ عقل اہلِ نظر ہیں۔ (8) صاحبِ عقل طالبِ حق ہوگا۔ (9) اولیأ اللہ کی عقل انہیں قربِ حق دیتی ہے۔ (10) اہلِ عقل اہلِ عمل ہوتے ہیں۔ (11) عاقل کی نشانی خاموشی ہے۔ (12) حق تک لے جانے والی سواری عقل ہے۔ (13) عقلِ خام / عقلِ جز قابلِ بھروسہ نہیں۔ (14) عقل ظاہر پرستی کا نام نہیں۔

☆☆☆

[14] (ایضاً)

[15] (ایضاً)

[16] (امیر الکونین)

[17] (شعب الایمان للبیہقی، رقم الحدیث: 10637)

[18] (محک الفقر کلاں)

[19] (عقل بیدار)

خراباتِ حافظ سے ایک جام

(حصہ ہشتم)

ملک نور حیات خان
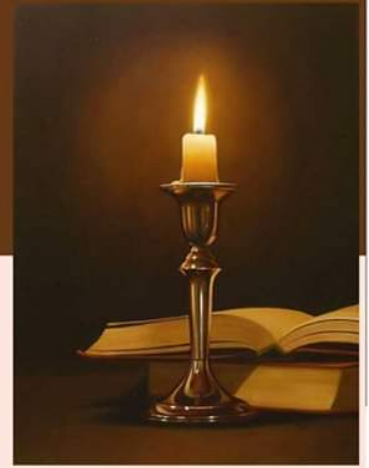
حافظ شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی غنائی شاعری اور جذبۂ غیبی کی بدولت ہر دور میں مقبول رہے ہیں اور اُن کی غزل کے اشعار ہمیشہ دل کی دھڑکنوں میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ اُن کا شمار اُن خوش نصیب شاعروں میں ہوتا ہے جن کا کلام ان کی زندگی میں ہی مقبولیت کے اُس درجہ پر پہنچا کہ ثمر قند، عراق و عرب اور ہندوستان کے فرمانرواؤں نے ان کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی مگر حافظ شیرازیؒ نے دنیا کی تمام لذتوں، مسرتوں اور عیش و عشرت کو اہمیت نہ دی کیونکہ وہ قربِ الٰہی اور محبوب حقیقی کے وصال ہی کو اپنی منزل مقصود خیال کرتے تھے۔ جیسا کہ اُنہوں نے ایک مقام پر فرمایا:

خُرم آں روز کہ حافظ راہِ بغداد کُند

یہی وجہ ہے کہ اپنی بے پناہ مقبولیت کے باوجود وہ افسردہ اور رنجیدہ خاطر رہا کرتے تھے اور کسی مخصوص باطنی مقام کے حصول کے خواہش مند تھے۔ اُن کے اس جذبہ کا اظہار اُن کے اس شعر میں نمایاں ہے فرماتے ہیں:

بَر دَرِ مَدرسہ تا چند نشینی حافظ   خیز تا اَز دَرِ میخانہ، کشادے طلبیم

”اے حافظ! تو مدرسہ کے دروازے پر کب تک بیٹھا رہے گا۔ اُٹھ! تاکہ میخانہ کے دروازہ پر جا کر کشادگی طلب کریں“۔

اس شعر میں حافظ شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) مدرسہ کو خیر باد کہتے ہوئے میخانہ سے کشادگی طلب کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس شعر میں یہ سبق بھی پنہاں ہے کہ حافظ پہلے مدرسہ پہنچے اور پھر مدرسہ سے میخانہ یعنی پہلی سیڑھی علم ہے۔ پھر کشادگیٔ قلب کے حصول کے لئے راستہ کی تعلیم ہے۔ اس فلسفے کی خوبصورت تشریح حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

عِلموں بَاجھوں فَقر کماوے کافِر مَرے دیوانہ ھو

دیکھنا یہ ہے کہ مدرسہ اور میخانہ میں کیا فرق ہے؟ اور کشادگی ایسی کون سی نعمت ہے جو مدرسہ سے نہیں بلکہ میخانہ سے حاصل کی جاسکتی ہے؟ مدرسہ عام فہم زبان میں درس و تدرس کی وہ جگہ ہوتی ہے جہاں ظاہری علوم وفنون کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوتا ہے اور علم کی شمع روشن کی جاتی ہے مگر یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ علم ایک راہ ہے راہبر نہیں؛ اور کوئی بھی راستہ راہبر کے بغیر طے نہیں کیا جاسکتا۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی مشہور تصنیف ”امیر الکونین“ میں فرماتے ہیں:

”جو خود راہ ہوتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور جو کسی کے ہمراہ ہوتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے“۔

مدرسہ میں کارخانۂ ظاہر کے علوم کی تعلیم تو دی جاتی ہے مگر محض ظاہری تعلیم پر اکتفا کر لینا کمالاتِ بشری سے محروم رہنے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی کثیر تعداد علمی رِفعتوں پر فائز ہونے کے باوجود آخری دم تک کشودِ قلب کی کمی محسوس کرتی رہی۔ البتہ وہ لوگ جو علومِ ظاہری کے حصول کے ساتھ علومِ باطن بھی سیکھتے اور حاصل کرتے ہیں ”اُن کا علم ان کی گردن کا وبال نہیں“ بلکہ اُن کے پرِ پرواز کی طاقت بن جاتا ہے۔ کیونکہ قلب کو تسکین طریقِ باطن سے نصیب ہوتی ہے۔ جس کی چشمِ باطن روشن نہ ہوئی وہ لذتِ باطنی سے محروم و بے بہرہ رہا۔ ان ہی محرومیوں کے پیشِ نظر حافظ شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) میخانہ سے رجوع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

زبانِ تصوف میں میخانہ، عارف کامل کا باطن ہوتا ہے جو حقائق اور معارف اور شوقِ الٰہی کے بے شمار اسرار و رموز کا خزانہ ہوتا ہے۔ مرشد کامل صاحبِ راز اور گنجینۂ دل کا مالک ہوتا ہے۔ اُس کی نظر میں تجلیاتِ الٰہیہ کا مُرصع جام ہمیشہ لبریز ہوتا ہے۔ اُس کی مجلس میں شرابِ محبوبیت کا جام ہر وقت تشنہ لبِ طالبان میں تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ جب وہ ایک نظر بھر کر طالب صادق کی طرف دیکھتا ہے تو سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اَنانیت کے پردے

ہٹ جاتے ہے، حجاب دوئی ختم ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ کی احدیت اور حمدیت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور طالب کا قلب رازِ ربوبیت کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے- اسی لئے حق تعالیٰ کی قدرتِ توحید قلب میں جاگزیں کرنے کے لئے مرشد کامل کی تلاش ضروری ہے- اس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ“[1]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ“-

حافظ شیرازی اپنے اس شعر میں میخانہ کے دروازہ پر جا کر جو کشادگی طلب کرنے کے خواہش مند ہیں اُس کشادگی سے بھی سینہ کا کھول دینا مُراد ہے- جہاں تمام حقائق مُلک وملکوت، لاہوت وجبروت منکشف ہو جاتے ہیں- پھر جب سینہ کشادہ ہو جاتا ہے تو بندہ کی زبان اسرارِ غیب کی کنجی اور اس کا دل معرفت الٰہی کا خزانہ بن جاتا ہے پھر وہ بندہ جو کچھ بھی فرماتا ہے وہ عالمِ غیب کا مشاہدہ کرکے فرماتا ہے- جیسا کہ صاحبزادہ سُلطان احمد علی صاحب (دامت برکاتہم العالیہ) نے اپنے مضمون ”قرآن مجید، تصوف اور آئمہ ٔتفسیر“ میں شرحِ صدر کے تین درجے بیان کئے ہیں- سینہ کشادہ ہونے کا پہلا درجہ مومنین کو نصیب ہوتا ہے- جس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے کہ ”فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ“ یعنی ”پس جس کسی کو اللہ تعالیٰ (فضلاً) ہدایت عطا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے (تو) اُس کا سینہ اِسلام کیلئے کُشادہ فرما دیتا ہے“-

اس سے بعد دوسرا درجہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کیلئے قرآن پاک میں بیان ہوا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی بارگاہِ بے نیاز میں استدعا کی تھی:

”قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ o“[2]

(موسیٰ (علیہ السلام) نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرما دے o

حق تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی یہی کمالِ بشریت عطا فرمانے کی نوید سناتے ہوئے فرمایا:

”اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ“[3]

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیا o

مؤمنین کو کشادگی ٔسینہ اپنے درجات میں نصیب ہوتی ہے جبکہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کے مبارک سینوں کا کشادہ ہونا ان کے درجات کے مطابق ہے- اور تاجدارِ انبیا ختم المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شرحِ صدر آپ کے مقام کے شایانِ شان ہے-

جن مؤمنین کو شرحِ صدر نصیب ہو جاتی ہے وہ صرف سطری علوم کے وارث ہی نہیں ہوتے بلکہ انہیں صدری علوم بھی نصیب ہو جاتے ہیں- حافظ شیرازی کے نزدیک مدرسہ استعارہ ہے سطری علوم کا اور میخانہ استعارہ ہے صدری علوم کا-

حافظ شیرازی اس شعر میں مدرسہ کی تعلیم سے آگے نکل کر عارف کامل کے میخانہ سے خاص علم حاصل کرنے کے خواش مند ہیں- جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے حضرت خضر (علیہ السلام) کے ساتھ رہ کر علم لدنی حاصل کرنے کی استدعا کی تھی- جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ:

”قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا“[4]

اس سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس (شرط) پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے (بھی) اس علم میں سے کچھ سکھائیں گے جو آپ کو بغرضِ ارشاد سکھایا گیا ہے-

گویا علمِ لدُنّی کی تلاش سُنتِ موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) ہے- ختم المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت پہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ ان میں ہزاروں صفتِ خضر بندگانِ خدا ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں- جن کی قوت ملکیہ اتنی غالب آجاتی ہے کہ اُن کی روح علوم ومعارفِ الٰہیہ کے لئے ایک آئینہ بن جاتی ہے اور ان پر خاتم الانبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلۂ جلیلہ سے عالم غیب کے اسرار منکشف ہوتے رہتے ہیں- اسی کو علم لدنی کہا جاتا ہے- ایسے لوگوں کے لئے نظروں سے غائب ہو جانا؛ سمندروں سے پار اُتر جانا اور ہزراوں میل کا فاصلہ پلک جھپکنے میں طے کر لینا، بیک وقت کئی مقامات پہ جلوہ گری فرمانا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا- وہ اس قسم کے تمام محیر العقول افعال حق تعالیٰ کی عطا سے سر انجام دیتے ہیں، چاہے وہ کسی کی سمجھ میں ہوں یا نہ ہوں، چاہے کوئی ان سے متفق ہو یا نہ ہو- جیسا کہ حضرت خضر (علیہ السلام) سے انجام پانے والے تینوں واقعات پہ بظاہر حضرات موسیٰ (علیہ السلام) نے اختلاف فرمایا-

حافظ شیرازی بھی اس شعر میں ایسا ہی کمالِ بشری حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں-

بَر دَرِ مَدرسه تا چند نشینی حافظ　　　خیز تا اَز دَرِ میخانه، کشادی طلبیم

☆☆☆

[1](المائدہ:35)　[2](طٰہٰ:25)　[3](الشرح:1)　[4](الکہف:66)

مشقِ تصورِ اسمِ اللہ ذات سے صاحبِ تصور کو جملہ سلک سلوک کا خلاصہ یعنی راہِ فقر نصیب ہوتی ہے اور جملہ انبیاء و اَولیاء اللہ سے اُس کی ہر وقت مجلس و ملاقات رہتی ہے- بعض کو یہ جانتا ہے اور بعض کو نہیں جانتا، جنہیں یہ جانتا ہے وہ اَولیاء اللہ ہیں جو ذکرِ جلالیت سے وجد میں آکر پُر جوش و شوریدہ حال رہتے ہیں اور جنہیں یہ نہیں جانتا وہ اللہ تعالیٰ کی قبا کے نیچے چھپے رہتے ہیں- حدیثِ قدسی میں فرمانِ حق تعالیٰ ہے: ’’بے شک میرے وہ دوست بھی ہیں جو میری قبا میں چھپے رہتے ہیں، اُنہیں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا‘‘- صاحبِ مشقِ تصورِ اسمِ اللہ ذات سے آتشِ دوزخ 70 سال کی دُوری پر رہتی ہے- جان لے کہ اسم ’’اللہ‘‘ چار حروف پر مشتمل ہے- یعنی ’’ا ل ل ہ‘‘- پس چار ملک اِس کی حاضرات میں پائے جاتے ہیں- اوّل ملکِ ازل، دوم ملکِ ابد، سوم ملکِ دنیا اور چہارم ملکِ عقبیٰ- جس شخص کا دل حرف ’’ا‘‘ کے نور سے روشن ہو جاتا ہے وہ صاف و شفاف ہو کر جامِ جہاں نما اور آئینۂ سکندری بن جاتا ہے جس میں صاحبِ دل اٹھارہ ہزار عالم کا تماشا دیکھتا ہے اور وہ مقامِ احدیت پر پہنچ جاتا ہے- حرف ’’لِ اول‘‘ سے مقامِ لاھوت اور ’’لِ دوم‘‘ سے ملکِ لانہایت لامکان میں پہنچ جاتا ہے اور حرف ’’ہ‘‘ سے ملکِ ہدایت میں پہنچ کر صاحبِ ہدایت بن جاتا ہے جو شخص اِن مراتب تک نہیں پہنچا تو سمجھیے کہ اُس پر اسمِ اللہ ذات کی تاثیر وارد نہیں ہوئی اور وہ ابھی اسمِ اللہ ذات کی حقیقت سے بے خبر ہے-

جب اسمِ اللہ ذات طالب اللہ کے وجود میں تاثیر کرتا ہے تو اُس پر رنگِ معرفت چڑھتا ہے اور وہ مرتبۂ کمال پر پہنچ جاتا ہے، اُس کے وجود سے دُوری مٹ جاتی ہے اور وہ اپنی مراد کو پالیتا ہے- اب وہ چشمِ عیاں سے جب بھی دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اُسے اپنے وجود کے ہر ایک بال پر اسمِ اللہ ذات کا نقش نظر آتا ہے اور اُس کے گوشت، پوست، بالوں، ہڈیوں، رگوں اور مغز و دل کی زبان پر اسمِ اللہ ذات کا ورد جاری ہو جاتا ہے اور اُسے در و دیوار و بازار اور درختوں پر واضح طور پر اسمِ اللہ ذات لکھا ہوا نظر آتا ہے، وہ جدھر بھی نظر اُٹھاتا ہے اُسے اسمِ اللہ ذات لکھا نظر آتا ہے، وہ جو کچھ سنتا ہے یا بولتا ہے اُسے اسمِ اللہ ذات ہی کی آواز سنائی دیتی ہے- صاحبِ تصورِ اسمِ اللہ ذات کو دیکھ کر آتشِ دوزخ ستر سال کے فاصلے سے بھاگ کھڑی ہوتی ہے اور جنت ستر سال کا فاصلہ طے کر کے اُس کا استقبال کرتی ہے- مشقِ تصورِ اسمِ اللہ ذات کی چھ قسمیں ہیں یعنی اسم ’’اَللّٰہُ‘‘ کا تصور، اسم ’’لِلّٰہِ‘‘ کا تصور، اسم ’’لَہٗ‘‘ کا تصور، اسم ’’ھُوْ‘‘ کا تصور، اسم ’’مُحَمَّدٌ‘‘ کا تصور اور کلمہ طیب ’’لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ‘‘ کا تصور- جب طالب اللہ ہر ایک اسمِ اللہ ذات، اسم ’’مُحَمَّدٌ‘‘ سرورِ کائنات (ﷺ) اور کلمہ طیبات کے تصور میں محو ہوتا ہے تو اُس کا ہر گناہ نورِ اسمِ اللہ ذات کے لباس میں چھپ جاتا ہے- یہ تمامیتِ فقر کا وہ مرتبہ ہے جسے ’’اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ‘‘ (فقر جب کامل ہوتا ہے اللہ ہی اللہ ہوتا ہے) کا مرتبہ کہا جاتا ہے- ’’مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا‘‘ (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کے مرتبے کا جامع سروری قادری مرشد پہلے ہی روز طالب اللہ کو ’’اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ o مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا‘‘ کے اِس مرتبے پر پہنچا دیتا ہے- (جاری ہے)

ABYAT-E-BAHOO

ابیاتِ باھو

ضروری نفس کُتے نوں قیما قیم کچیوے ھو
نال محبت ذکر اللہ دا دم دم پیا پڑھیوے ھو
ذکر کنوں رب حاصل تھیندا ذاتوں ذات دسیوے ھو
دوہیں جہان غلام تنہاندے باھو جنہاں ذات لبھیوے ھو

Make mince of nafs the dog for sure Hoo
Recite dhikr of Allah with every breath with loving lure Hoo
Rabb is achieved with dhikr, within ones being envisaged Essence Hoo
Both world are your slaves Bahoo who has acquired Essence Hoo

Zarori nafs kuttay noo'N qima qeem kacheeway Hoo
Naal mohabbat zikr Allah da dam dam piya pa'Rheeway Hoo
Zikr kanoo'N rabb Hasil theenda zatoo'N zaat diseeway Hoo
Dohe'N jahaan Ghulaam tinhaa'N day 'Bahoo' jinhaa'N zaat labheeway Hoo

Translated by; M. A. Khan

تشریح:

باھُو! دیو زادہ نفس را علاج نیست　　از سوزش بسوز تا مسخّر گردد

1: ”دیوزادے نفس کا اِس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں کہ اُسے آتشِ عشق میں اتنا جلایا جائے کہ یہ مسخر ہو جائے“ -(عین الفقر)

”جان لے کہ نفسِ امارہ کی عادت سرکش گھوڑے کی عادت سے ملتی جلتی ہے جو معصیتِ شیطانی کی چراگاہ میں چرتا رہتا ہے اور ارواحِ مغلوب کو جدھر چاہتا ہے بھگا لے جاتا ہے- اگر تُو چاہتا ہے کہ یہ سرکش گھوڑا تیرا مطیع رہے تو ہر وقت اُس کے منہ میں بااخلاص صدقِ مع اللہ اور دائمی ذکر اللہ کی آتشیں لگام ڈالے رکھ تا کہ تجھے ذکر اللہ کی غذا و لذّت سے کم کھانے، کم بولنے، کم سونے اور کم اختلاطِ خلق کی عادت پڑ جائے ورنہ نفس کا یہ سرکش گھوڑا کہاں آرام کرتا ہے“ -(محک الفقر (کلاں)

”محاسبۂ نفس کے لئے خود قاضی بن اور اُس کافر کو قتل کرنے کے لئے خود مردِ غازی بن - رضائے الٰہی اختیار کر تا کہ یار یار سے اور غیر غیر سے جا ملے - رضائے نفس کی خاطر حیلہ و حجت مت کر“ -(عین الفقر)

با تصوّر قتل کن تو نفس را　　تا شوی واصل خدا لائق خدا

2-3: ”تُو تصورِ اسم اللہ ذات سے نفس کو قتل کر دے تا کہ تُو قربِ خدا میں واصل بخدا ہو سکے“ -(امیر الکونین)

”تمام علم تصرفِ اسم اللہ ذات میں قید ہے مگر اسم اللہ ذات علم کی قید میں نہیں ہے کہ اسم اللہ ذات نفس کو نیست و نابود کر کے اللہ تعالیٰ کی دائم حضوری میں پہنچاتا ہے“ - (امیر الکونین)

”تصور اسم اللہ ذات کے غلبے سے نفس مغلوب ہو کر فرمانبردار و تابع غلام بن جاتا ہے اور صاحب تصور سے ہم سخن و ہم کلام ہوتا ہے، نفس کی شناخت تصور و توجہ ہی سے ممکن ہے کہ تصور اسم اللہ ذات سے نفس فنا ہو جاتا ہے“ -(محک الفقر (کلاں)

حضور سلطان العارفین (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کم و بیش 140 کتب مبارکہ میں اس چیز پہ زور دیا ہے کہ انسان کا شیطان سے بھی بڑا دشمن اس کا ہم نشین نفس ہے- طالبِ مولیٰ کیلیے اپنے مقصود کو پانے کیلیے نفس کو شکست دینا اور مغلوب کرنا نہایت ضروری ہے اور اس مشن اور مقصد کے لیے مرشد کامل کی رفاقت اور تصورِ اسم اللہ ذات سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) رقمطراز ہیں:

”جان لے کہ دیدارِ الٰہی اور اہلِ دیدار کے درمیان کوئی پتھر یا پہاڑ یا دیوار حائل نہیں ہو سکتی بلکہ دیو نفس حائل ہوتا ہے جو پتھر اور دیوار سے بھی سخت تر حجاب ہے اور جس کا مارنا بے حد مشکل و دشوار ہے- مرشدِ کامل سب سے پہلے اِسی دیو خبیث، مصاحبِ ابلیس کو تصورِ اسم اللہ ذات کی تلوار سے قتل کرتا ہے اور جب یہ دیو نفس مر جاتا ہے تو بندے اور ربّ کے درمیان سے بیگانگی کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور بندہ ہر وقت بلا حجاب دیدارِ پروردگار کرتا ہے- صاحبِ نظر مرشدِ کامل ایک ہی توجہ سے یہ بھاری پردہ اُٹھا دیتا ہے اور پہلے ہی دن طالب اللہ کو لقائے الٰہی سے مشرف کر دیتا ہے“ -(نور الھدیٰ)

باھُو! علم صرف و نحو خوانی فِقّہ خوانی یا اصول　　جُز وصالِ حق تعالیٰ نیست زاں چیزی وصول

4: ”اے باھُو! علمِ صرف و نحو پڑھ یا علمِ فقہ و اصول، سوائے وصالِ حق کے اِن سے اور کوئی چیز وصول نہ کر“ -(عین الفقر)

اس لیے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

”عقلمندوں کے لئے یہ خاموش رمز ہی کافی ہے کہ بے شعور لوگ وصالِ حق تک نہیں پہنچ سکتے“ -(اسرار القادری)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

”جسے وصالِ وحدتِ حق نصیب نہیں وہ صد فضیلتِ قیل و قال کے باوجود جاہل کا جاہل ہی رہتا ہے“ -(عین الفقر)

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) اس بیت مبارک کے آخری مصرع میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جہانِ رنگ و بو میں سب سے کامران شخص وہ ہے جو اپنے نفس کا تزکیہ کر کے اپنے مالک و خالقِ حقیقی کا وصال باکمال حاصل کر لیتا ہے- مرشد کامل کے اوصاف میں سب سے بڑا وصف بھی یہی ہے کہ وہ اپنے طالب کو اللہ عزوجل کے وصال سے ہم کنار کرتا ہے- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

”مرشدِ کامل کی نظر میں عطائے معرفتِ وصال ہے، البتہ اگر مرشدِ کامل طالب اللہ کو زہد و تقویٰ میں مشغول کر کے ریاضت کروانا چاہے تو بارہ یا چوبیس یا چالیس سال تک ریاضت کروا سکتا ہے لیکن اگر عطا کرنا چاہے تو ذکر فکر اور زہد و تقویٰ میں مشغول کئے بغیر پل بھر میں وصالِ حق بخش سکتا ہے- جہاں اِستغراقِ فنا فی اللہ بقا باللہ کا لازوال وصال ہے وہاں کیا حاجتِ مشقتِ سالہا سال ہے“ -(ایضاً)

A Public Awareness Message